A-PDF Image To PDF Demo. Purchase from www.A-PDF.com to remove the watermark

اشتیاق احمد

انجانا خطرہ

انسپکٹر جمشید سیریز

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

انوار الادب لائبریری
نمبر شمار
تاریخ
نواب خان تعلق روڈ تلمبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۶۴

انجانا خطرہ

اشتیاق احمد

اہتمامِ اشاعت

طاہر ایس ملک

جملہ حقوق محفوظ

پبلشرز : شیخ زبیر عزیز

پرنٹرز : عظیم علیم پرنٹرز

کتابت : سعید نامدار

قیمت : پندرہ روپے

●

ترتیب پبلشرز

۱- میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

انوار الادب لائبریری
نمبر شمار
تاریخ
دفتر نے خالی تعلق رکھتا ہے

حدیث شریف

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے، حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی شراب میں، اس کے نچوڑنے والے پر اور نچڑوانے والے پر اور جس کے لیے نچوڑا جائے اور جو اٹھائے (لے جائے) اور جس کے لیے اٹھایا جائے اور بیچنے والے پر اور جس کے لیے بیچا جائے اور پلانے والے پر اور جس کے لیے پلایا جائے — یہاں تک کہ دس آدمی اسی طرح بیان کیے —

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۸۱، حدیث نمبر ۲۶۶

○

دو باتیں

السلام علیکم! انجانا خطرہ اگر آپ انجانی راہوں پر لے جائے اور آپ ان راہوں پر چلتے بہت دور نکل جائیں اور واپس پلٹ کر بھی نہ دیکھ سکیں۔ اس خیال سے نہیں کہ واپس پلٹ کر دیکھنے سے آپ پتھر کے بُت میں تبدیل ہو جائیں گے، بلکہ اس وجہ سے کہ انجانا خطرہ آپ کو پیچھے پلٹ کر دیکھنے ہی نہیں دے گا تو مجھے معاف کر دیجیے گا اور ناول ختم کرنے کے بعد واپسی کا ٹکٹ ضرور کٹا لیجیے گا — کیونکہ ابھی آپ کو تین ناول اور بھی پڑھنے ہوں گے، اگر انجانے خطرے میں ہی گم ہو کر رہ گئے تو باقی کے تین ناولوں کا کیا بنے گا، اور میرا کیا بنے گا، جس نے باقی تین ناول بھی امیدوں، آرزوؤں اور تمناؤں سے لکھے ہیں اور میں اپنی امیدوں، آرزوؤں اور تمناؤں کا خون ہوتے بھلا کیسے دیکھ سکوں گا — ارے کہیں میں آپ کے صبر کا پیمانہ تو لبریز نہیں کر گیا، چلیے اس میں سے چند گھونٹ اور لے لیجیے، پیالے کی سطح نیچی ہو جائے گی — اب ان پھیے دار دو باتیں کے چکر سے نکلیے اور ناول کے چکر میں پڑ جائیے — کیونکہ محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ بھی اس مرتبہ یہی ہوا ہے — خدا حافظ —

انوار الادب لائبریری
نمبر شمار
تاریخ
4/12/86

پرانا نام

"ہیلو ڈوجر!"

دبی آواز میں کسی نے کہا اور وہ چونک اٹھا — اس کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا — بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا — کپکپی کی ایک لہر پورے بدن میں دوڑ گئی — چہرے کا رنگ فق ہو گیا — اسے یوں محسوس ہوا، جیسے اس نے موت کو دیکھ لیا ہو؛ حالاں کہ بات صرف اتنی سی تھی کہ اسے کسی نے ہیلو ڈوجر کہہ کر پکارا تھا۔ لیکن اس نام ڈوجر نے ہی تو اسے خوف زدہ کر دیا تھا، بلکہ یہ کہا جائے تو بہتر ہو گا کہ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی تھی —

یہ نام اب خود اس کے لیے ایک گالی تھا؛ حالانکہ دس سال پہلے جب اسے اس نام سے پکارا جاتا تھا تو وہ فخر سے سینہ پھلا لیا کرتا تھا — ڈوجر ایک بہت چالاک مجرم تھا۔ اس نے بے تحاشا جرم کیے تھے، لیکن پکڑا نہیں جا سکا تھا۔ اس نے چوریاں بھی

کیس، ڈاکے بھی ڈالے، بنک بھی لوٹے، بہت سے لوگوں کو زخمی بھی کیا۔ تجوریاں بھی توڑیں — غرض وہ مجرمانہ کاموں میں ہر فن مولا تھا — بڑے بڑے جرائم پیشہ اس کا لوہا مانتے تھے، لیکن پھر ایسا ہوا کہ ایک شخص کی بددعا اسے لگ گئی۔ وہ ایک گھر میں چوری کرنے کے لیے داخل ہوا — گھر کی حالت باہر سے بہت اچھی تھی — اسے نہیں معلوم تھا کہ گھر کا مالک مالی مصیبتوں میں مبتلا ہے اور اسے اپنی جوان بیٹیوں کی شادیاں بھی کرنا ہیں۔

وہ اس کی بیٹیوں کے زیورات سمیٹ کر جب گھر سے نکل رہا تھا تو گھر کا مالک اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے اس کی منتیں کیں — اپنی جوان بیٹیوں کے لیے اس نے یہ زیورات کس طرح بنائے تھے، یہ بھی بتایا — لڑکوں والوں کے مطالبات کیا تھے، یہ بھی بتا ڈالا اور یہ بھی کہ اگر یہ زیورات نہ ہوئے تو اس کی بیٹیوں کی شادیاں نہیں ہو سکیں گی — مگر ڈوجر کے دل میں اس وقت رحم کہاں تھا — اس نے بوڑھے کو زوردار دھکا دیا اور گھر سے نکل آیا — گھر سے نکلتے وقت اس نے سنا، بوڑھا اسے بلک بلک کر بددعا دے رہا تھا۔

"خدا کرے، تیری بھی کوئی بیٹی ہو اور تو اس کی شادی کبھی نہ کر سکے۔"

یہ بددعا سن کر وہ مسکرا اٹھا — اس کی ایک بیٹی واقعی تھی،

لیکن اسے اس کی شادی کا کوئی فکر نہ تھا، کیونکہ اس کے پاس بے تحاشا دولت تھی اور اب لوگ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکی جہیز میں کیا لائے گی۔ یہ نہیں دیکھتے کہ بیٹی کس کی ہے یا باپ کس ذریعے سے دولت کما کر بیٹی کو دے رہا ہے۔

اس واقعے کو چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ڈوجر کی بیٹی ایک حادثے کا شکار ہو گئی — بیٹی کے غم میں وہ تقریباً پاگل ہو گیا اور پھر اسے بوڑھے کی بددعا یاد آئی — اچانک اسے اپنے پیشے سے نفرت محسوس ہوئی — بہت دنوں تک وہ کش مکش میں مبتلا رہا — یہاں تک کہ اس نے جرائم سے توبہ کر لی اور شہر ہی چھوڑ کر چلا گیا — دس سال تک وہ گمنامی کی زندگی گزارتا رہا — شروع شروع میں پولیس اس کی تلاش میں رہی، پھر تنگ آ کر اس نے تلاش چھوڑ دی —

دس سال گزرنے پر ڈوجر اپنے حلیے میں بھی قدرتی تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا — اس نے سر کے بال بہت بڑھا لیے تھے — مونچھوں کو بھی بڑا بڑا کر لیا تھا۔ دائیں کان کے قریب بڑا سا ابھرا ہوا سیاہ تل اب لمبی لمبی قلموں کی وجہ سے بالکل چھپ گیا تھا — لباس شریفانہ ہو گیا تھا — لوٹی ہوئی تمام دولت وہ پہلے ہی پراسرار طور پر لوگوں کو واپس پہنچا چکا تھا۔ اس بوڑھے کے زیورات اس نے

سب سے پہلے لوٹائے تھے ۔۔ سب کچھ لوٹانے کے بعد اس
کے پاس کچھ نہیں بچا تھا ۔۔ بچتا بھی کیسے، اس نے تو بچپن
سے چوری چکاری کا کام شروع کر دیا تھا۔ کوئی ڈھنگ کا
کام تو کیا ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے، وہ اس دوران میں کی
جانے والی چوریوں کی رقوم اور زیورات بھی پوری طرح واپس
نہ کر سکا تھا؛ کیونکہ لوٹ مار سے حاصل ہونے والی دولت کو
دونوں ہاتھوں سے لٹاتا بھی تو رہا تھا ۔۔ پولیس کو بہر حال
آج بھی اس کی تلاش تھی اور اگر اسے کبھی یہ اطلاع مل
جاتی کہ ڈوجر کو فلاں جگہ دیکھا گیا ہے تو وہ وہاں چھاپا ضرور
مارتی ۔۔ دس سال تک اس نے محنت مزدوری کی تھی۔ ہاتھوں
سے کما کر پیٹ بھرا تھا ۔۔ یوں بھی اب اسے کوئی فکر نہیں
تھا۔ اکیلا آدمی تھا نا ۔۔ البتہ اسے جیل سے بہت خوف آتا
تھا ۔۔ شاید اس لیے کہ اس نے آج تک جیل کی شکل
نہیں دیکھی تھی، اس کی باتیں ضرور سنی تھیں۔ اب اس نے
اپنا نام بھی الطاف بابر رکھ لیا تھا۔ دس سال گزرنے پر
وہ پھرتا پھراتا پھر اپنے پہلے شہر میں آ گیا تھا، لیکن اسے کیا
معلوم تھا کہ یہاں دس سال گزرنے پر بھی کوئی اسے پہچان
لے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنا پرانا نام ڈوجر سن کر اس کی
سٹی گم ہو گئی تھی ۔۔

اس وقت وہ ایک ہوٹل میں بیٹھا صبح کا ناشتا کر رہا تھا۔
ناشتے کے بعد وہ کسی کام کی تلاش میں نکلنے کا ارادہ رکھتا تھا۔
رہائش کا بندوبست اس نے ایک سرائے میں کیا تھا جو اس
ہوٹل کے قریب ہی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے نظریں اوپر اٹھائیں
اور پھر ڈوجر کہنے والے کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کے
حواس جواب دے گئے ۔۔

وہ جیلا جیب کترا تھا، جو کچھ عرصے تک اس کے ساتھ جرائم
کرتا رہا تھا، لیکن پھر ان دونوں میں کسی بات پر ناچاقی ہو گئی۔
اور وہ الگ ہو گئے۔ جرائم پیشہ زندگی چھوڑنے سے پہلے اس نے
سنا تھا کہ جیلا جیب کترا پکڑا گیا ہے اور اسے سزا ہو گئی
ہے ۔۔ آج وہی جیلا اس کے سامنے موجود تھا اور گہری طنز بھری
نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، پھر وہ کرسی گھسیٹ کر
بیٹھ گیا اور ایک بار پھر بولا:

"ڈوجر، تم نے مجھے پہچانا نہیں ۔۔ میں جیلا جیب کترا ہوں۔"
اس نے یہ جملہ مسکرا کر کہا، لیکن نہ جانے اس کی مسکراہٹ میں
کیا بات تھی کہ ڈوجر کا دل دھڑکنے لگا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب، میرا نام الطاف بابر ہے۔"

"نیا نام اچھا ہے، لیکن بھئی حلیے کے ساتھ تمہیں اپنی آواز کو بھی بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی اور پھر حلیہ بھی تو اتنا نہیں بدلا۔ کیا ہوا، اگر سر کے اور مونچھوں کے بال بڑھ گئے اور تمہاری لمبی قلموں کی وجہ سے دائیں کان والا ابھرا ہوا تل چھپ گیا ہے، لیکن ہم پیشہ دوستوں کے لیے تو تم اب بھی ڈوجر ہی ہو۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" ڈوجر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اچھی بات ہے، تو میں کاؤنٹر سے پولیس کو فون کیے دیتا ہوں۔ پولیس خود ہی معلوم کرے گی کہ تم ڈوجر ہو یا نہیں۔" یہ کہہ کر جیلا مڑا اور کاؤنٹر کی طرف پہلا قدم اٹھایا۔ جب ڈوجر نے کچھ بھی نہ کہا تو اس نے گردن اس کی طرف گھمائی۔

"یہ بھی بات تمہارے علم میں آ جانی چاہیے کہ میں جیل سے رہا ہو کر آیا ہوں اور اب تک میں نے کوئی مجرمانہ کام نہیں کیا۔ اس لیے پولیس تمہارے ساتھ مجھے گرفتار نہیں کر سکے گی۔ دوسرے یہ کہ تم یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکو گے، کیونکہ دوڑنے میں میں تم سے زیادہ تیز رفتار ہوں اور جیل کی مشقت نے تو اور بھی تیز کر دیا ہے۔ میں

یہ بھی جانتا ہوں کہ تم عالمگیر سرائے کے کمرہ نمبر تیس میں ٹھہرے ہوئے ہو، لہٰذا اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ ادھر میں فون کرنے جاؤں گا اور ادھر تم بھاگ کھڑے ہو گے تو یہ ممکن نہیں۔ میں اسی وقت تمہارے پیچھے بھاگ کھڑا ہوں گا۔ جب کہ ابھی تمہیں ناشتے کا بل بھی چکانا ہے اور اگر بل ادا کیے بغیر بھاگنے کی کوشش کرو گے تو میری بجائے بیرے ہی تمہیں پکڑ لیں گے۔ اس دوران پولیس بھی یہاں تک پہنچ جائے گی، لہٰذا ابھی بھی وقت ہے، خود کو ڈوجر تسلیم کر لو۔" یہ تمام باتیں اس نے دبی آواز میں کیں۔ یہاں تک کہ اس کے سوا کوئی نہیں سن سکا تھا۔

"اچھا، میں مانتا ہوں، میرا نام ڈوجر ہی ہے، بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں....." ڈوجر کہتے کہتے رک گیا۔ جیلا واپس مڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور اب بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا، لیکن اس کے خاموش ہو جانے پر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے:

"کیا بات ہے، خیر تو ہے؟"

"ابھی ابھی ہال میں ایک شخص داخل ہوا ہے۔ اف خدا، اب کیا ہو گا۔" ڈوجر کی آواز کپکپا اٹھی۔ جیلے نے

جلدی سے دروازے کی طرف دیکھا۔ ہال میں داخل ہونے والا آدمی کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی جیلا بھی پریشان ہوگیا، حالانکہ اس نے جیل سے رہا ہونے کے بعد ابھی تک کوئی مجرمانہ کام نہیں کیا تھا —

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

ہال میں

وہ ان دنوں گرمیوں کی چھٹیاں منا رہے تھے — چھٹیاں شروع ہوتے ہی انہوں نے زور شور سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں کسی پر فضا مقام پر لے جایا جائے، لیکن انسپکٹر جمشید نے صاف انکار کر دیا تھا، لیکن تینوں بھلا اتنی آسانی سے ہار ماننے والے کہاں تھے — سب سے پہلے انہوں نے اپنی امی کو گھیرا، لیکن ان کی سفارش ناکام ہوگئی — دوسرا نمبر پروفیسر داؤد کا تھا، کیونکہ انسپکٹر جمشید ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ لیکن پروفیسر داؤد کو بھی انسپکٹر جمشید نے اپنی مصروفیات کا یقین دلا دیا — تھک کر انہوں نے خان رحمان کے دروازے پر دستک دی — دروازہ ظہور نے کھولا۔ اس کی شکل پر اڑھائی بج رہے تھے —

"کیوں بھئی، خیر تو ہے — کیا آج پھر ہانڈی جلا دی ہے؟"

"جی نہیں —" اس نے مردہ آواز میں کہا۔

"تو پھر؟" فاروق مسکرایا: "کیا بیگم نے کوئی سوٹ جلا دیا ہے۔"

"فاروق میاں، آج کل ہانڈیاں بیگم جلاتی ہے اور میں سوٹ، آپ الٹ پوچھ رہے ہیں۔" اس نے بُرا مان کر کہا۔

"اوہ مجھے افسوس ہے، لیکن پھر ہوا کیا ہے؟"

"ہوا یہ ہے کہ خان صاحب نے اس مرتبہ بچوں کو کسی پر فضا مقام پر لے جانے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ ان دنوں بہت مصروف ہیں، لہذا بچوں نے مجھ پر اور میری بیوی پر ہلّہ بول رکھا ہے۔"

"ہلّہ بول رکھا ہے، کیا مطلب؟" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"جی ہاں، اب وہ تمام دن طرح طرح کے کھانے پکواتے رہتے ہیں۔ غصہ انہیں خان صاحب پر ہے اور بھگت ہم دونوں رہے ہیں۔"

"اوہ۔" ان تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ وہ تو خان رحمان سے سفارش کرانے آئے تھے، لیکن جو شخص خود اپنے بچوں کو کسی پر فضا مقام پر نہ لے جا رہا ہو، وہ کسی دوسرے کو کس طرح لے جانے کے لیے کہہ سکتا ہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ اندر سے خان رحمان کی

دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ظہور کے بچے، گھنٹی کس نے بجائی تھی؟"

"جی، میں انہیں لے کر آ رہا ہوں۔" ظہور نے گڑبڑا کر کہا اور پھر ان سے بولا۔

"چلیے جناب۔"

"اگرچہ ہمیں اندر جانے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، پھر بھی چلے چلتے ہیں۔" محمود نے کہا اور ظہور کے ساتھ اندر پہنچے۔

"ہائیں، محمود، فاروق اور فرزانہ یہ تم ہو۔ دھت تیرے کی۔" انہوں نے نعرہ مارا۔ حامد، سرور، ناز اور بیگم شہناز بھی ان کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ تینوں ان سے گرم جوشی سے مصافحہ کرنے لگے۔

"انکل، یہ دھت تیرے کی آپ نے کس خوشی میں کہا؟"

"تمہاری آمد کی خوشی میں۔" وہ بولے۔

"بھئی واہ، آج تو خوب لطف رہے گا۔" حامد بولا۔

"یہی تو مشکل ہے، خوب لطف نہیں رہے گا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیوں، کیوں، بھلا خوب لطف کیوں نہیں رہے گا۔" خان رحمان تیز لہجے میں بولے۔

"ہم دراصل آپ سے سفارش کرانے آئے ہیں۔" محمود جلدی سے بولا۔

"سفارش، لیکن کس کی؟"

"جی اپنی۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"بھئی ذرا صاف صاف بات کرو۔"

اور جب انہوں نے صاف صاف بات بتائی تو خان رحمان بھی چکرا گئے۔ انہوں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ تو واقعی ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ اگر جمشید یہ پوچھ بیٹھا کہ میں حامد، سرور اور ناز کو لے کر کہاں جا رہا ہوں تو کیا جواب دوں گا۔"

"تو انکل آپ سفارش کرنے سے پہلے ہی انہیں کہیں لے جانے کا پروگرام بنا لیں نا۔" فرزانہ اٹھلائی اور خان رحمان نے اسے تیز نظروں سے گھورا، پھر ہنس پڑے اور بولے:

"اب یہی کرنا ہوگا، تو پھر کیوں نہ ہم جہاں بھی جائیں ساتھ ہی جائیں۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہوگی۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن اس طرح لطف نہیں آئے گا۔" خان رحمان نے انکار میں سر ہلایا۔

"یا اللہ رحم، یہ لطف صاحب ان دنوں اتنی مشکل سے کیوں آنے لگے ہیں۔" فرزانہ نے اوپر دیکھا۔

"سنو بھئی، میں پہلے پروفیسر داؤد سے بات کرتا ہوں۔"

"وہ نہیں مانیں گے انکل — ہم ان سے پہلے ہی سفارش کرا چکے ہیں اور ابا جان ان کی سفارش مسترد کر چکے ہیں۔"

"اوہو، یہ تو بہت مشکل ہو گئی — خیر تم فکر نہ کرو، میرا نام بھی خان رحمان ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے پروفیسر داؤد کو فون کیا — ادھر سے ان کی آواز سنتے ہی وہ بولے —

"ہیلو پروفیسر صاحب، ہم تینوں گھر وادی جبروت جا رہے ہیں۔"

"ہم تینوں گھر، کیا مطلب؟"

"تینوں گھروں سے مراد تینوں گھروں ہی ہوتی ہے — یہ پوچھنا بھی عجیب بات ہوگی کہ کون سے تینوں گھر، کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں، میں کون سے تین گھروں کی بات کر رہا ہوں۔"

"لیکن ہم تینوں گھر وادی جبروت کیوں جائیں گے بھلا۔"

"اس لیے کہ بچوں کو گرمیوں کی چھٹیاں ہیں اور ان چھٹیوں کا مطلب یہ ہے کہ بچے یہ چھٹیاں کسی پر فضا مقام پر گزاریں۔"

"بات تو ٹھیک ہے، لیکن بھئی انسپکٹر جمشید نہیں جائیں گے۔"

"ان کے تو فرشتے بھی جائیں گے۔"

"میں ان سے بات کر چکا ہوں۔" پروفیسر بولے۔

"لیکن میں نے ابھی ان سے بات نہیں کی ہے۔"

"تو پھر پہلے ان سے بات کر لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ میں ان دنوں بالکل فارغ ہوں اور شائستہ بھی بہت بوریت محسوس کر رہی ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ کوئی تو فارغ ملا۔" خان رحمان نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"لو بھئی، پروفیسر داؤد ساتھ جانے کے لیے تیار ہیں۔"

"ابا جان کو منائیں، تب بات ہے انکل۔" فرزانہ بولی۔

"دیکھتی جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جا کہاں رہے ہیں آپ؟"

"تم تینوں بھی ساتھ چلو، میں جمشید کے دفتر جا رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے، آپ فون پر بھی بات کر سکتے ہیں۔"

"فون پر بات کرنا اور بات ہے اور منہ در منہ بات کرنا اور بات ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

چند منٹ بعد وہ خان رحمان کی کار میں وہ دفتر کی

طرف اڑے جا رہے تھے۔ دفتر کی عمارت میں کار کھڑی کر کے وہ اندر کی طرف چلے۔ خان رحمان کا رخ بدلا ہوا دیکھ کر محمود نے کہا:

"انکل، آپ کس طرف جا رہے ہیں۔ ابا جان کا کمرہ تو اس طرف ہے۔"

"یار میں جانتا ہوں، ان کا کمرہ کس طرف ہے۔" وہ بولے۔

"تو پھر؟"

"سنو بھئی، جب حریف بہت طاقت ور ہو تو اس پر حملہ بھی زیادہ طاقت سے کرنا چاہیے؛ ورنہ منہ کی کھانا پڑتی ہے، میں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ فوج میں گزارا ہے اور میں منہ کی کھانا پسند نہیں کرتا۔"

"آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔"

وہ ان کے پیچھے چلتے آئی جی صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے۔ چپراسی انہیں آتے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

"السلام علیکم شیخ صاحب۔"

"ارے خان رحمان۔ آپ۔ اوہو، محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ہیں۔" انہوں نے اٹھ کر ان سے ہاتھ ملایا، پھر سب بیٹھ گئے۔

"شیخ صاحب، ان دنوں جمشید بہت مصروف ہے؟"

"ہاں، مصروف تو وہ ہیں۔ کچھ پرانی فائلیں نکلوائی گئی ہیں۔ ان پر بہت سا کام کرنا ہے۔ کیوں خیر تو ہے؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ میں، پروفیسر داؤد اور جمشید، یہ تینوں گھرانے چند روز کے لیے وادی جبروت جانا چاہتے ہیں اور تو سب بالکل تیار ہیں، لیکن جمشید ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ بہت مصروف ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہی ہے۔" وہ بولے۔

"لیکن میں چاہتا ہوں، وہ بھی ہمارے ساتھ چلے۔"

"خیر، میں ان سے بات کر لیتا ہوں۔"

"بات نہیں، آپ اسے حکم دیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں انہیں یہیں بلا لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا تو وہ بولے:

"جمشید صاحب کو بلا لاؤ۔"

"جی بہتر۔" چپراسی مڑنے لگا تھا کہ وہ بولے۔

"اور ہاں، انہیں یہ نہ بتانا کہ یہاں کون کون بیٹھا ہے۔" یہ کہتے وقت وہ مسکرائے۔

"جی بہت بہتر۔"

اب محمود، فاروق اور فرزانہ کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔ محمود سے رہا نہ گیا۔

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم یہاں سے چلے جائیں؛ ورنہ ہمیں ان کی نظروں کا سامنا کرنا ہوگا۔"

"بھئی جب اوکھلی میں سر دیا تو موصلوں کا کیا ڈر۔" خان رحمان ہنسے۔

جلد ہی انسپکٹر جمشید یہ کہتے ہوئے اندر داخل ہوئے:

"آپ نے مجھے یاد کیا سر۔" اور پھر ان کی نظریں محمود فاروق اور فرزانہ پر تھیں۔ وہ بھلا کیا کہتے۔

"بھئی تمہیں ان تینوں پر ناراض ہونے کی اجازت نہیں ہے۔" آئی جی صاحب بولے۔

"جی، جی بہتر۔" انسپکٹر جمشید نے گڑبڑا کر کہا۔

"اور تم انہیں وادی جبروت لے جا رہے ہو۔ تمہارے ساتھ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کا گھرانا بھی جا رہا ہے۔ تم جانے سے انکار نہیں کرو گے، یہ میرا حکم ہے۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر، لیکن جن فائلوں پر کام شروع کر چکا ہوں، ان کا کیا بنے گا؟"

"انہیں ساتھ لیتے جاؤ، وہیں کام کرتے رہنا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" انہوں نے دبی آواز میں کہا، پھر ان تینوں کی طرف مڑے۔

"وادی جبروت سے واپسی پر میں تم تینوں سے سمجھ لوں

گا۔" یہ کہتے وقت وہ بے چارگی کے انداز میں مسکرائے بھی تھے۔

"لیکن تم واپسی پر بھی ان پر ناراض نہیں ہوگے۔ یہ بھی میرا حکم ہے۔" شیخ صاحب مسکرائے۔

"دھت تیرے کی۔" انہوں نے بے ساختہ کہا۔ خان رحمان اور شیخ صاحب کسی طرح اپنی ہنسی نہ روک سکے۔ انسپکٹر جمشید بھی اس ہنسی میں شامل ہوگئے۔ ان کا موڈ ایک دم خوش ہوگیا۔

"پورے شیطان ہو تم۔"

"جی نہیں تو۔ پورا شیطان تو وہ بھی نہیں تھا، جسے آپ نے ختم کیا تھا۔" فاروق بولا۔

"اچھا اب باتیں نہ بناؤ، گھر جا کر سفر کی تیاری کرو۔ میں سیٹیں وغیرہ بک کرانے کا بندوبست کرتا ہوں۔" انہوں نے کہا اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ دفتر سے باہر نکل کر خان رحمان نے کہا۔

"کیوں بھئی مانتے ہو۔"

"بالکل انکل۔" فاروق بولا۔

دوسرے دن صبح سویرے وہ سب انسپکٹر جمشید کے گھر جمع تھے۔ ہوائی اڈے کے لیے انہیں یہاں سے روانہ ہونا تھا۔ عین اس وقت جب وہ گھر سے نکلنے والے تھے، حامد

بول پڑا۔

"جانے سے پہلے تم تینوں کو ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"

"کن تینوں کو، یہاں تو کئی تین ہیں۔" فاروق بولا۔

"ممی تینوں کی بات کر رہا ہوں۔"

"جلدی بتاؤ، کیا وعدہ کرنا ہوگا۔"

"یہ کہ وادی جبروت میں جا کر تم کوئی جاسوسی چکر نہیں چلاؤ گے۔" حامد نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"بات یہ ہے بھئی کہ جاسوسی چکر ہم نہیں چلاتے، خود بخود چل جاتے ہیں اور ہمیں بھی چکرا کر رکھ دیتے ہیں۔"

"لیکن اس مرتبہ تم نہیں چکراؤ گے۔ کوئی چکر خود بخود چلتا ہے تو چلتا رہے، کیونکہ اس طرح سیر و تفریح کا لطف غارت ہو جاتا ہے۔" شائستہ نے بھی حامد کا ساتھ دیا۔

"خیر، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کسی چکر کے پاس تک نہیں پھٹکیں گے۔" محمود نے کہا۔

"فاروق، فرزانہ تم بھی یہ الفاظ دہراؤ۔" سرور نے کہا۔ انہوں نے الفاظ دہرائے اور وہ روانہ ہوگئے۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد جہاز نے انہیں وادی جبروت کے ہوائی اڈے پر اتار دیا۔ یہاں سے وہ دو ٹیکسیوں میں ہوٹل کہکشاں تک پہنچے۔ بیروں نے دروازے پر ہی ان کا سامان اٹھا لیا

اور وہ اندر داخل ہوئے۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر انہوں نے کہا۔

"میرا نام انسپکٹر جمشید ہے۔ میں نے کل تین کمرے بک کرائے تھے۔"

"اوہ جی ہاں۔ میں ابھی بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ رجسٹر پر جھک گیا۔ انسپکٹر جمشید ہال پر نظر ڈالنے لگے۔ اچانک ایک میز پر ان کی نظریں اٹک کر رہ گئیں۔ ابھی وہ ادھر دیکھ ہی رہے تھے کہ کاؤنٹر کلرک کی آواز سنائی دی:

"آپ کے لیے چھٹی منزل پر کمرہ نمبر ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲ بک کیے گئے ہیں۔ آپ کو ایک ہفتے کا ایڈوانس کرایہ دینا ہوگا۔ تریسٹھ سو روپے جمع کرا کے رسید لے لیجیے۔ آپ بے شک پہلے کمروں میں آرام کریں۔ میں خود ہی بل لینے آجاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ کمرے میں ہی آجائیے گا۔" یہ کہہ کر وہ پھر ہال میں بیٹھے لوگوں کی طرف مڑے اور ایک بار پھر زور سے چونکے۔

دونوں کہاں گئے

"یہ۔ یہ تو انسپکٹر جمشید ہیں، کیا تم بھی انہیں جانتے ہو؟" جیلے کے لہجے میں خوف تھا۔

"ہاں، میرا اور ان کا سامنا ہو چکا ہے۔ صرف یہی وہ شخص ہے، جس نے مجھے زندگی میں پہلی بار گرفتار کر لیا تھا، لیکن جب انہوں نے مجھے پولیس کے سپرد کیا تو میں ان کے قبضے سے بھاگ نکلا تھا۔" ڈوجر نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"اور میں نے تو جیل کی ہوا کھائی انہی کی وجہ سے ہے۔" جیلے نے دانت پیسے۔

"اب کیا کیا جائے۔ اگر انہوں نے ہمیں یہاں دیکھ لیا تو مصیبت آجائے گی۔" ڈوجر بولا۔

"خدا خیر ہی کرے۔ ان کی یہاں آمد بالکل غیر متوقع ہے۔" جیلا بڑبڑایا۔

"دیکھو جیلے، ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ ہم فوراً یہاں سے

نکل جائیں اور الگ الگ راستے اختیار کریں۔ تم مجھ سے کوئی واسطہ نہ رکھو اور نہ میں تم سے۔" ڈوجر نے دبی آواز میں کہا۔

"مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ جیل سے رہا ہونے کے بعد میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ ہاں، تمہیں ضرور خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر میں نے تمہارے لیے کوئی خطرہ محسوس کیا تو میں بندوبست کر لوں گا۔ جوں ہی میں آنکھوں کا اشارہ کروں، تم سامنے بنے غسلخانوں میں چلے جانا، ایک آدھ منٹ کے وقفے سے میں بھی وہاں آ جاؤں گا اور تمہیں اس ہوٹل سے صاف نکال لے جاؤں گا۔ مجھے اس ہوٹل کے پچھلے راستوں کا بخوبی علم ہے۔ میں یہاں اکثر آتا جاتا رہتا ہوں۔"

"جو کچھ کرنا ہے، جلد کرو، مجھے ڈر لگ ....."

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت اس نے انسپکٹر جمشید کو ہال کی طرف مڑتے دیکھا تھا۔ انہوں نے سب لوگوں پر ایک نظر ڈالی تھی، لیکن اس ایک نظر میں ہی وہ ان کی نظروں میں آ گئے تھے۔

"انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔" ڈوجر نے مردہ آواز میں کہا۔

"ہاں، اور شاید انہوں نے پہلی ہی نظر میں ہم دونوں کو

پہچان لیا ہے۔ دھیان رکھو، اگر یہ پھر کاؤنٹر کی طرف مڑے تو اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلے جانا۔ اب تمہارے بچنے کی یہی ایک صورت ہے۔"

"میں ضرور یہی کروں گا، لیکن تم مجھ تک کس طرح پہنچو گے۔"

"کسی نہ کسی طرح تو ضرور پہنچوں گا؛ ورنہ سارا پروگرام دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔" جیلے نے بے خیالی میں کہا۔

"کیا مطلب، کیسا پروگرام؟" ڈوجر چونکا۔

اسی وقت انہوں نے انسپکٹر جمشید کو کاؤنٹر کی طرف آتے دیکھا۔

"جلدی کرو، یہ لمحہ ضائع نہ ہونے پائے۔" جیلے نے بے چین ہو کر کہا۔

"تو تم بھی ساتھ ہی کیوں نہیں آ جاتے۔"

"ہاں، یہی بہتر رہے گا۔" جیلے نے کہا اور فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈوجر نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ دونوں بجلی کی سی تیزی سے غسل خانوں کی قطار کے قریب پہنچے اور جیلا ڈوجر کا ہاتھ پکڑ کر ایک سمت میں لپکتا چلا گیا۔

لیکن پھر اس کے قدم رک گئے، جس دروازے پر وہ پہنچے تھے، وہ بند تھا اور ایک بڑا سا تالہ ان کا منہ چڑا

رہا تھا۔

"ارے، یہ آج یہاں تالا کس نے لگا دیا۔ یہاں تو کبھی تالا نہیں لگا ہوتا۔ خیر کوئی بات نہیں، اب ہمیں اوپر جانا پڑے گا۔" جیلے نے جلدی جلدی کہا اور واپس مڑا۔

"اوپر، لیکن اوپر جاکر تو ہم پھنس جائیں گے۔"

"نہیں پھنسیں گے۔ اس ہوٹل سے جتنا میں واقف ہوں، کوئی دوسرا نہیں۔ آؤ۔"

تیز تیز چلتے وہ ایک زینے تک پہنچے اور کئی کئی سیڑھیاں پھلانگنے لگے۔ چند منٹ میں وہ چھٹی منزل پر تھے۔ اس جیلا ڈوجر کا ہاتھ پکڑے برآمدے میں بڑھا جا رہا تھا پھر وہ ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اندھا دھند گھس گیا۔ ڈوجر کے اندر آتے ہی انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور لمبا سانس بھرتے ہوئے بولا:

"خدا کا شکر ہے۔"

"کیا بات ہے جیلے، اتنے پریشان کیوں ہو۔"

کمرے میں آواز گونجی اور ڈوجر بوکھلا کر مڑا۔

"ارے، وہ دونوں کہاں گئے؟"

"جی، کون دونوں؟ ہم تو سب یہیں ہیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"تم لوگ اوپر چلو، میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اس میز کی طرف بڑھے، جس پر تھوڑی دیر پہلے انہوں نے ڈوجر اور جیلے کو دیکھا تھا۔

"اس میز پر جو دو گاہک بیٹھے تھے، وہ کہاں گئے؟" انہوں نے پاس کھڑے بیرے سے پوچھا۔

"ابھی ابھی غسلخانوں کی طرف گئے ہیں۔"

"کیا اس طرف سے ہوٹل سے باہر جانے کا کوئی راستہ ہے؟"

"راستہ تو ہے، لیکن بند رہتا ہے، کیونکہ بعض لوگ بل ادا کیے بغیر اس طرف سے کھسک جانے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا دروازہ بند کر دیا ہے؛ تاہم ضرورت کے وقت اسے فوراً کھولا جا سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے آگ وغیرہ لگنے کی صورت میں۔"

"اور کوئی راستہ؟"

"ایک راستہ اوپر جاتا ہے۔"

یہ سنتے ہی وہ غسل خانوں کی طرف بڑھے۔ بیرا انہیں

حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ غسل خانوں کے برآ
میں آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ بند دروازے تک
پہنچ گئے۔ اب وہ واپس پلٹے۔ دائیں ہاتھ انہیں زینہ
آیا اور وہ اس کی سیڑھیاں چڑھنے لگے، لیکن پھر چکرا کر
گئے۔ کیونکہ ہوٹل کی چھ منزلیں تھیں۔ اب وہ دونوں
جانے کون سی منزل پر مڑ گئے تھے۔ چند سیکنڈ تک سو
کے بعد وہ اوپر چڑھنے لگے اور آخر چھٹی منزل پر پہنچ گ
انہوں نے پورا برآمدہ دیکھ ڈالا، پھر نیچے اترے اور پانچویں
کے برآمدے کو دیکھ ڈالا۔ اسی طرح وہ نیچے اترتے گئے
یہاں تک کہ دوبارہ ہال میں پہنچ گئے۔ اب انہیں کاونٹر
کوئی بھی نظر نہ آیا۔ وہ لوگ اوپر جا چکے تھے۔ ایک
پھر وہ غسلخانوں کی طرف بڑھے، لیکن وہ دونوں انہیں
کہیں بھی نظر نہ آئے۔ آخر وہ کاونٹر پر آئے اور کلرک
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے:

"میں اپنا نام بتا ہی چکا ہوں۔ جس وقت ہم ہوٹل
داخل ہوئے تھے، اس سامنے والی میز پر دو آدمی بیٹھے تھے
ان میں سے ایک کے آگے ناشتے کی چیزیں بھی رکھی تھیں
بیرے کو بلا کر معلوم کریں، کیا وہ ناشتے کا بل ادا کر چکا ہے"

"جی بہتر۔ میں ابھی معلوم کیے دیتا ہوں۔" اس نے

اور کاونٹر پر رکھی گھنٹی بجائی۔ دوسرے بیروں کے ساتھ
اس میز والے بیرے نے بھی کاونٹر کی طرف دیکھا۔ کلرک
نے اسے اشارا کیا۔ فوراً ہی وہ ان کے قریب پہنچ گیا۔

"تمہاری میز پر جو صاحب ناشتا کر رہے تھے۔ کیا وہ
بل ادا کر چکے ہیں؟"

"جی نہیں، ناشتے کے دوران ایک اور صاحب اس کی
میز پر بیٹھے تھے، پھر دونوں اچانک اٹھ کر غسل خانوں کی
طرف چلے گئے۔ میں سمجھا، ابھی واپس آ جائیں گے، لیکن وہ
واپس نہیں آئے۔ میں اس وقت سے حیران ہوں کہ وہ
کہاں چلے گئے۔"

"کیا تم نے بیرونی دروازے پر نظر رکھی ہے؟" کلرک
نے پوچھا۔

"جی ہاں، میں بدستور ادھر دیکھتا رہا ہوں۔ وہ دونوں
باہر جاتے ہوئے نظر نہیں آئے۔"

"تب تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ابھی ہوٹل میں ہی
کہیں موجود ہیں، کیونکہ دوسرے تمام دروازے بند کر دیے
گئے ہیں اور وہ صرف خاص ضرورت کے وقت ہی کھولے جا
سکتے ہیں۔"

"جی ہاں، میں بھی اسی لیے خاموش تھا کہ آخر وہ

آئیں گے تو اس طرف بھی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم دروازے کی طرف نظر رکھنا، وہ نکلنے نہ پائیں۔" کلرک نے کہا اور بیرا سر ہلاتا چلا گیا۔

"بیرونی دروازہ کیا رات بھر کھلا رہتا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں، لیکن دروازے پر تمام رات دو چوکیدار موجود رہتے ہیں۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے، وہ دونوں مجھے دیکھ کر کھسکنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیا کسی طرح یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔"

"ہوٹل میں چھ سو کمرے ہیں، برآمدے ہیں، باورچی خانے ہیں، بالکونیاں ہیں، لہٰذا یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔ اب تو وہ اسی وقت پکڑے جا سکتے ہیں، جب ہوٹل سے باہر نکلنا چاہیں گے۔ چوکیداروں کو ان کے بارے میں ہدایت دی جا سکتی ہے۔"

"آپ انہیں نہیں جانتے۔ وہ دونوں بہت خطرناک ہیں۔ چوکیدار انہیں نہیں روک سکیں گے۔ اول تو وہ کسی اور راستے سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ خیر، میں خود ہی دیکھ لوں گا۔" یہ کہہ کر وہ مڑے اور لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔

ان کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ ڈوجر کو انہوں نے صاف پہچانا تھا۔ وہ ایک زمانے سے مفرور تھا۔ جیلے کے بارے میں تو انہیں معلوم تھا کہ وہ ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے جیل سے رہا ہوا ہے۔ انہیں حیرت تو یہ تھی کہ یہ دونوں دارالحکومت کی بجائے وادی جبروت میں کیا کر رہے ہیں۔

لفٹ میں سوار ہو کر وہ چھٹی منزل پر پہنچے اور برآمدے پر اترنے کے بعد کمرہ نمبر ۵۱۰ کی طرف جا رہے تھے کہ ایک اور حیرت کا پہاڑ ان پر ٹوٹا۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

دروازے پر

"لو بھئی، ہو گیا شروع چکر۔" حامد نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"حیرت ہے، انکل کو ہوا کیا ہے۔" شائستہ بولی۔

"میں نے ابھی ابھی دو آدمیوں کو یک دم اٹھتے ہوئے غسل خانوں کی طرف جاتے دیکھا ہے، کہیں ابا جان انہی دونوں کے پیچھے تو نہیں گئے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کوئی بات تو ضرور ہے، ورنہ ابا جان بلا وجہ کیوں غسل خانوں کی طرف جانے لگے؛ بہر حال انہوں نے ہمیں اوپر جانے کی ہدایت کی ہے، لہذا ہم اوپر چلتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ہم اوپر ذرا مختلف انداز سے چلیں گے۔" فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"مختلف انداز میں، کیا مطلب؟"

"میں اور محمود زینے کے راستے اوپر جائیں گے۔ باقی لوگ

لفٹ کے ذریعے۔ سامان بیرے خود ہی پہنچا دیں گے۔"

"لیکن زینے کے ذریعے جانے کی کیا ضرورت ہے۔" محمود بولا۔

"ضرورت ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔" فرزانہ نے محمود کا ہاتھ پکڑا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔

"ہاں، جاؤ اس کے ساتھ۔"

"لیکن تم لوگوں نے وعدہ کیا تھا....." شائستہ کا جملہ درمیان میں ہی رہ گیا، کیونکہ اس وقت تک دونوں کافی دور جا چکے تھے۔ آخر انہوں نے بھی لفٹ کا رخ کیا۔

"میں سمجھا نہیں۔ سیڑھیاں چڑھ کر ٹانگیں تھکانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"غسل خانوں کی طرف سے اگر کوئی راستہ ہوٹل کے باہر جاتا ہے تو اس صورت میں تو وہ دونوں اس وقت تک باہر جا چکے ہوں گے، لیکن اگر باہر جانے کے لیے اس طرف کوئی راستہ نہیں ہے تو اس صورت میں وہ دونوں سوائے اوپر جانے کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ اوپر بھی وہ لفٹ کے ذریعے نہیں جائیں گے۔ زینے کے ذریعے جائیں گے، کیونکہ لفٹ نیچے ہال سے شروع ہوتی ہے۔ درمیانی منزل سے وہ لفٹ میں سوار ہونے کی بجائے وہ بہتر خیال کریں گے کہ

سیڑھیاں ہی چڑھ جائیں، لہذا ایسی صورت میں ہم بھی کیوں نہ سیڑھیوں کے ذریعے اوپر پہنچیں، کیا خبر ہماری ان سے ملاقات ہو جائے۔"

"توبہ ہے تم سے۔ کیا تم نے ان دونوں کے چہروں کو صاف طور سے دیکھا تھا؟" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ہاں، کیونکہ میں ناصاف طور پر دیکھنے کی عادی نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اوہو، آج تو فاروق کے بھی کان کاٹ رہی ہو، لیکن تم نے فاروق کو ان کے ساتھ کیوں بھیج دیا۔"

"کیا خبر، وہ کسی درمیانی منزل سے لفٹ میں سوار ہو جائیں۔ لہذا فاروق کا ان لوگوں کے ساتھ جانا ضروری تھا۔"

"لیکن وہ پیچ و تاب کھا رہا ہو گا۔"

"کھانے دو، پیچ و تاب کھانا بھی بعض اوقات صحت کے لیے مفید ہوتا ہے۔" فرزانہ نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن ہمارے وعدے کا کیا ہو گا۔" محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

دونوں تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہے تھے اور باتیں بھی کر رہے تھے۔

"کونسا وعدہ؟" فرزانہ بولی۔

"وہی جو ہم نے حامد وغیرہ سے کیا تھا کہ کسی چکر کو اپنے پاس بھی نہیں پھٹکنے دیں گے۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اب اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔ ذرا اپنی رفتار بڑھاؤ، کیونکہ اگر ان دونوں نے غسل خانوں سے سیڑھیوں کا رخ کیا ہے تو وہ اس وقت اوپر کہیں جا رہے ہوں گے۔"

"اب یہ بات بھی تو یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ ابا جان انہی دونوں کے چکر میں ہیں۔ جن دونوں کو تم نے غسل خانوں کی طرف جاتے دیکھا تھا۔"

"اس دوران ان دو کے علاوہ کوئی اور گاہک غسل خانوں کی طرف گیا ہی نہیں۔" فرزانہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

چھٹی منزل تک پہنچتے پہنچتے وہ بری طرح ہانپنے لگے۔ آخر برآمدے میں پہنچ کر ہی انہوں نے سانس لیا۔ عین اسی وقت فرزانہ چونک اٹھی۔ اس نے دو آدمیوں کو برآمدے کے آخری کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

"محمود، ہو نہ ہو، یہ وہی دونوں ہیں۔"

"یہ ہو نہ ہو کا کیا مطلب ہے؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"فاروق بننے کی کوشش نہ کرو، یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ۔ آؤ ذرا اس کمرے کے دروازے تک چلتے ہیں۔"

"کہیں ہم کسی مشکل میں نہ پڑ جائیں۔"

"اللہ مالک ہے۔"

آخر دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے اس کمرے تک پہنچے۔

"دروازے سے کان میں لگاؤں گی ۔ تم مجھے اپنی اوٹ میں لے لو۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کان دروازے سے لگا دیا۔ محمود اس طرح کھڑا ہو گیا کہ زینے کی طرف سے آنے والا کوئی بھی شخص یہ نہ دیکھ سکے کہ فرزانہ کیا کر رہی ہے۔

عین اسی وقت فرزانہ نے ایک آواز سنی، جو کمرے میں گونجی تھی۔

"کیا بات ہے جیلے، اتنے پریشان کیوں ہو؟"

ڈوجر اور جیلا ایک ساتھ مڑے ۔ ڈوجر نے دیکھا، ایک لمبے قد کا پتلا دبلا آدمی کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"یہ ڈوجر ہے رانا صاحب، جس کا میں نے ذکر کیا تھا۔"

"لیکن تم اسے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"میں مجبور ہو گیا تھا جناب۔"

"کیا مطلب؟" لمبے آدمی نے چونک کر کہا۔

"ہال میں جس وقت میں نے ڈوجر سے ملاقات کی، عین اسی وقت انسپکٹر جمشید ہال میں داخل ہوا اور اس نے ہم دونوں کو دیکھ لیا ۔ وہ ہمیں اچھی طرح جانتا ہے اور ڈوجر تو ہے ہی مفرور، لہذا اس کی گرفتاری لازمی تھی؛ چنانچہ میں اس کی نظر بچا کر غسل خانوں کی طرف آ گیا اور وہاں سے ہمیں اوپر آنا پڑا، کیونکہ عقبی دروازے پر تالا لگا تھا ۔ اب میں اس کے سوا کیا کر سکتا تھا کہ اسے یہاں لے آؤں۔ آپ جانتے ہی ہیں، ڈوجر ہمارے لیے کس قدر ضروری ہے۔ اس کے بغیر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے، لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ انسپکٹر جمشید کی نظر بچا کر غسل خانوں کی طرف نکل گئے تھے۔ میرے خیال میں یہ ناممکن ہے۔"

"اسے کاؤنٹر کلرک نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔" جیلے نے جلدی سے کہا۔

"سنو جیلے، اگر انسپکٹر جمشید یہاں تک پہنچ گیا تو یہ بہت بری بات ہو گی ۔ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی قسم

کی پریشانی مول لوں۔"

"وہ یہاں تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ جب میں اور ڈوجر غسل خانوں والے برآمدے میں مڑے تھے، اس وقت بھی اس کا منہ کاؤنٹر کی طرف ہی تھا۔" جیلے نے پریقین لہجے میں کہا۔

"لیکن جب اس نے تم دونوں کو غائب پایا ہوگا تو اس نے تمہارے بارے میں بیرے سے پوچھا ہوگا اور بیرے نے اسے بتا دیا ہوگا کہ تم غسل خانوں کی طرف گئے ہو، اس کے بعد جو کچھ ہوا ہوگا، میں اندازہ لگا سکتا ہوں، بلکہ میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اب تمہارے اس ہوٹل سے نکلنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں اور شاید انسپکٹر جمشید تھوڑی دیر بعد اس دروازے پر دستک دے رہا ہوگا۔" رانا کے لہجے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"پھر رانا صاحب، اب کیا کیا جائے۔"

"بہترین طریقہ یہی ہے کہ ڈوجر کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے اور ہم ڈوجر کو بھول کر کسی دوسرے آدمی کا انتخاب کریں۔"

"جیسے آپ کی مرضی رانا صاحب، لیکن اگر آپ کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر ڈوجر کی شرکت بہت ضروری ہے۔"

"خیر، اگر انسپکٹر جمشید کمرے تک نہ پہنچا تو میں سمجھوں گا، ڈوجر کو شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" رانا نے کہا۔

عین اسی وقت وہ زور سے چونکا۔ اس کی آنکھوں میں شدید الجھن کے آثار دکھائی دیے۔ پھر وہ دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھا۔

دیس نکالا

محمود اور فرزانہ کے جاتے ہی باقی لوگ لفٹ میں سوار ہوئے اور چھٹی منزل پر اتر کر کمرہ نمبر ۵۱۰ کی طرف بڑھے فاروق گہری سوچ میں گم تھا۔

"یہ یہاں آتے ہی کیا چکر چل گیا۔" حامد نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے چکر ان لوگوں کا انتظار ہی کرتے رہتے ہیں۔" سرور بولا۔

"لیکن اس بار یہ لوگ وعدہ کر چکے ہیں کہ کسی چکر کے پاس پھٹکیں گے بھی نہیں۔" ناز بول اٹھی۔

"فاروق، تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے۔" حامد نے کہا۔

"سانپ، ارے باپ رے۔" اس نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا اور پھر جھینپ کر بولا:

"یار حامد، مذاق تو نہ کرو۔"

"مذاق تو خود تم کر رہے ہو۔ تم نے ہم میں سے کسی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔"

"جہاں بات کرنے والے اتنے بہت سے ہوں، وہاں کوئی کیا جواب دے۔" فاروق مسکرایا۔

"مجھے تو کوئی چکر چلتا نظر آتا ہے۔" پروفیسر داؤد نے بھی حامد وغیرہ کا ساتھ دیا۔

"لیکن انکل، ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔"

"صبر۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"جی، کیا مطلب، صبر۔"

"ہاں، انسپکٹر جمشید کو اگر یہاں دو آدمی جرائم پیشہ نظر آ گئے تھے تو وہ صبر کر سکتے تھے۔ اس طرح تم لوگ اس سلسلے سے بالکل الگ رہتے۔"

"لیکن انکل، یہ ان کی فطرت کے خلاف ہے۔" فاروق نے پر زور لہجے میں کہا۔

"اب کیا ہوگا۔ تفریح کا لطف تو خاک میں مل کر رہ جائے گا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اس بار ایسا نہیں ہوگا۔" بیگم جمشید نے بلند آواز میں اعلان کیا۔

"کیا مطلب بھابی، کیا آپ ان چاروں کو اس چکر سے

نکال لیں گی۔" خان رحمان خوش ہو کر بولے۔

"نہیں، مجھے افسوس ہے، میں ایسا نہیں کر سکوں گی۔"

بیگم جمشید نے انکار میں سر ہلایا۔

"تو پھر آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ اس بار ایسا نہیں ہوگا۔" شہناز بیگم بولیں۔

"ہم دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ جاسوس پارٹی الگ، غیر جاسوس پارٹی الگ۔ جاسوس پارٹی اس وقت تک ہم سے کوئی تعلق نہیں رکھے گی، جب تک کہ وہ اس چکر سے فارغ نہ ہو جائے، پھر اس دوران خوب سیر سپاٹا کریں گے۔" بیگم جمشید نے پرجوش انداز میں کہا۔ انداز ایسا تھا، جیسے کسی سیاسی جلسے میں تقریر کر رہی ہو۔

"تجویز تو بہت ہی زوردار ہے، میں اس کی حمایت کا اعلان کرتا ہوں۔" خان رحمان ہاتھ ہلا کر بولے۔

"ہم سب بھی تائید کرتے ہیں۔" فاروق کے علاوہ سب نے بلند آواز میں کہا۔

"فاروق، تم کون سی پارٹی کا ساتھ دو گے؟"

"جاسوس پارٹی کا۔ اور مجھے اس کا بہت افسوس ہے کہ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ کیا کروں، میں بھی

اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔ آپ لوگ سیر و تفریح کے پروگرام ترتیب دیجیے۔ میں باہر نکل کر دیکھتا ہوں۔ جاسوس پارٹی اس وقت کس مرحلے سے دوچار ہے۔"

اس نے یہ الفاظ جذباتی انداز میں کہے تھے۔ سب نے اسے حیران ہو کر دیکھا، لیکن اس نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

"حیرت ہے، اسے اتنا سنجیدہ کبھی نہیں دیکھا۔" اس نے اپنے پیچھے خان رحمان کی آواز سنی۔

برآمدے میں اس نے دائیں اور بائیں نظریں دوڑائیں تو انسپکٹر جمشید اسے برآمدے کے آخری سرے کی طرف جاتے نظر آئے۔ اس طرف جو اس کی نظریں گئیں تو اس نے محمود کو ایک کمرے کی دیوار سے لگے دیکھا۔ جلد ہی گیٹ میں اسے فرزانہ بھی نظر آگئی۔ اب تو وہ رہ نہ سکا۔ لمبے ڈگ بھرتا ان کی طرف بڑھا۔

عین اسی وقت فرزانہ سیدھی ہو گئی۔ اس نے محمود سے کچھ کہا، پھر دونوں کی نظریں اپنے والد پر پڑیں تو وہ چونکے اور تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ ان کے نزدیک پہنچ کر فرزانہ نے دبی آواز میں کچھ کہا، پھر تینوں اس کی طرف مڑے۔

نظریں آپس میں ٹکرائیں تو چاروں خود بخود مسکرا د
پھر وہ تینوں فاروق کے پاس آئے۔

"جلدی کرو فاروق، اس کمرے کا دروازہ کھلنے سے
ہمیں اپنے کمرے میں داخل ہونا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن وہاں سے تو ہمیں دیس نکالا مل گیا ہے۔"

"دیس نکالا، کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"چلیے میں بتاتا ہوں — میرا خیال ہے، ہم کمرہ نمبر
میں چلتے ہیں۔"

چابیاں فاروق کے پاس تھیں — اس نے پلک جھپکتے
دروازہ کھولا اور چاروں اندر داخل ہو گئے۔ فاروق نے
دروازہ اندر سے بند کر دے، لیکن فرزانہ بول اٹھی:

"نہیں فاروق، دروازہ کھلا رہنے دو۔"

رانا دروازے پر پہنچ کر رک گیا — اس نے اپنا
کان دروازے سے لگا دیا اور سن گن لینے لگا، پھر
نے آواز پیدا کیے بغیر چٹخنی گرانا شروع کر دی اور پھر در
پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تھوڑا سا کھولا۔ بس اتنا کہ ا

ایک جھری ہی پیدا ہو سکی — دوسرے ہی لمحے وہ اچھل کر
سیدھا ہو گیا — چٹخنی دوبارا لگا دی اور سرد آواز میں بولا:

"انسپکٹر جمشید کے بچے ہماری باتیں سن چکے ہیں۔ وہ
دروازے سے کان لگائے کھڑے تھے۔ ابھی ابھی وہ ہٹے ہیں
اور زینے کی طرف جا رہے ہیں، لیکن وہ کسی کمرے میں رک
کر ہمارے باہر نکلنے کا انتظار کریں گے یا پھر مشورہ کر کے
یہاں آ جائیں گے اور دروازہ کھلوائیں گے — جیلے، پھر تم
جانتے ہو، کیا ہو گا، وہ ڈوجر کو گرفتار کرا دیں گے — میں
بھی ان کی نظروں میں آ جاؤں گا اور تمہیں تو وہ پہلے ہی
دیکھ چکے ہیں۔"

"پھر رانا صاحب، اب کیا کریں۔"

"یہ مصیبت تمہاری لائی ہوئی ہے جیلے — تم اگر ڈوجر کو
لے کر ہال سے نکل ہی بھاگے تھے تو تمہیں اوپر کا رخ نہیں
کرنا چاہیے تھا — اب اپنے ساتھ تم نے مجھے بھی مشکل میں
ڈال دیا ہے — معاملے کی بھنک بھی انسپکٹر جمشید کو پڑ گئی
تو کام خراب ہو جائے گا، لہذا اس کا میں نے بس ایک ہی
حل سوچا ہے۔" رانا کی آواز کچھ اور سرد ہو گئی۔

"اور وہ کیا رانا صاحب؟"

"یہ —" یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور

پھر اس سے پہلے کہ ڈوجر اور جیلا کچھ سمجھ سکتے، اس کا ہاتھ باہر نکل آیا۔ انہوں نے دیکھا، اس میں سیاہ رنگ کا پستول چمک رہا تھا۔

"یہ — یہ کیا، رانا صاحب۔" جیلا ہکلایا۔

"اس مسئلے کا حل یہی ہے کہ تم دونوں کو ابدی نیند سلا دیا جائے۔ انسپکٹر جمشید کے بچوں نے ابھی میری صرف آواز ہی سُنی ہے۔ شکل صورت نہیں دیکھی۔ اگر انسپکٹر جمشید میری آواز سن لیتا تو میرے بچ نکلنے کا امکان نہیں تھا۔ کیونکہ وہ مجھے بخوبی جانتا ہے، لہٰذا میں اپنا منصوبہ پھر کبھی ترتیب دے لوں گا، فی الحال تو مجھے تم دونوں سے چھٹکارا پا کر خود کو بچانا چاہیے۔"

"نہیں نہیں رانا صاحب، ایسا ظلم نہ کریں، ہم اب بھی ان لوگوں سے بچ سکتے ہیں۔"

"یہ تمہارا خیال ہے جیلے محض خیال — میں انسپکٹر جمشید کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"جیلے، تم نے مجھے بھی پھنسا دیا۔" ڈوجر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اف ڈوجر، ہم کیا کریں، اس شخص کا دماغ تو خراب ہو گیا ہے شاید۔" جیلے نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"نہیں جیلے، اس شخص کا دماغ نہیں خراب ہوا۔ دماغ تمہارا خراب ہوا تھا جو اس کا ساتھ دینے چلے تھے اور ساتھ میں مجھے بھی گھسیٹ لیا، لیکن اصل بات یہ ہے کہ قدرت ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دینا چاہتی ہے۔ ہم نے بھی تو نہ جانے کتنے گھر اجاڑے ہیں۔ کتنے لوگوں کو خون کے آنسو رلایا ہے، کتنی ہی بیٹیوں کی شادیاں ہماری وجہ سے نہیں ہو سکی ہوں گی۔ کیا ان کی بد دعائیں ہمیں نہیں لگی ہوں گی۔ یہ — یہ دراصل ان کی بد....."

ان الفاظ کے ساتھ ہی ڈوجر کو ایک زبردست دھکا لگا۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر منہ کے بل گرا۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔ لیکن فائر کی آواز بالکل نہیں گونجی تھی۔ پستول پر سائیلنسر فٹ تھا۔ ڈوجر کو گرتے دیکھ کر جیلے کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں اور پھر اس کے سینے سے بھی خون ابلنے لگا

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ رانا نے پستول جلدی سے جیب میں رکھا۔ ریسیور اٹھا کر میز پر رکھ دیا، پھر کمرے سے چند ضروری چیزیں اٹھا کر جیبوں میں ٹھونسیں۔ دروازے میں لگے تالے کے سوراخ کے ساتھ ایک صوفے کی پشت لگا دی، تاکہ باہر سے کچھ بھی نہ دیکھا جا سکے، پھر اپنے سامان میں سے

کچھ اور چیزیں نکالیں — پورے کمرے کا بغور جائزہ لیا۔ عین اس وقت اس کی نظر ایک ایسی چیز پر پڑی جسے دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید اس کے بارے میں جان جاتے۔ اس نے جلدی سے اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

اس کے ساتھ ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

آدھے جاسوس

"کیوں دروازہ کھلا رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کمرہ نمبر ۵۳۷ میں موجود تین افراد فرار ہونے کی کوشش کریں — دروازہ کھلا ہونے کی صورت میں ہم انہیں بھاگتے ہوئے دیکھ تو سکتے ہیں۔"

"فرزانہ ٹھیک کہہ رہی ہے — ہاں بھئی، اب ذرا جلدی سے بتا دو کہ تم نے کیا باتیں سنی ہیں۔"

فرزانہ نے جو کچھ سنا تھا، لفظ بہ لفظ دہرا دیا — انسپکٹر جمشید سوچ میں گم ہو گئے۔

"اس کا مطلب ہے، یہ لوگ کوئی مجرمانہ کام کرنا چاہتے ہیں اور ڈوجر کو جیلا ابھی ابھی لے کر آیا ہے — یہ جیلے کا ہی خیال ہے کہ رانا کے منصوبے کے لیے ڈوجر کا وجود ضروری ہے — تب پھر یہ ضرور کوئی تجوری توڑنے کا چکر ہو گا۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ ۔" محمود بولا ۔

"اس لیے کہ ڈوجر تجوریاں کھولنے میں حیرت انگیز مہارت رکھتا ہے ۔"

"اوہ ۔"

"ہاں، اور وہ اب تک بے شمار تجوریاں کھول کر لوٹ چکا ہے ۔ اپنی زندگی میں وہ صرف ایک بار پکڑا گیا تھا اور اسے پکڑنے والا میں ہی تھا، لیکن وہ پولیس کے قبضے سے بھاگ نکلا اور اس وقت کے بعد آج میں نے اسے دیکھا ہے ۔ دس سال پہلے وہ فرار ہوا تھا ۔"

"اور جیلا ۔" فرزانہ نے پوچھا ۔

"جیلا ایک جیب کترا ہے ۔ تیز طرار اور پھرتیلا بہت ہے، لیکن تجوریاں کھولنا اس کے بس کی بات نہیں ۔ اسی لیے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ضرور کوئی تجوری لوٹنا چاہتے ہیں ۔"

"اور دوسری خاص بات یہ کہ رانا آپ کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ آپ بھی اس سے اچھی طرح واقف ہیں ۔"

"رانا ۔" انسپکٹر جمشید نے الجھن کے عالم میں کہا: "اس نام کے کسی مجرمانہ ذہن کے آدمی کو میں نہیں جانتا ۔ ہو سکتا ہے، اس نے اپنا نام بدل رکھا ہو: تاہم اگر میں اس کی آواز سن

لیتا تو ضرور پہچان لیتا ۔"

"پھر اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" فاروق بولا ۔

"سوچ رہا ہوں ۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اسی وقت کمرہ نمبر ۵۳ کے دروازے پر پہنچ کر دستک دے دیں ۔ اس طرح ہم ڈوجر کو گرفتار کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ مفرور ہے ۔ ساتھ ہی اس آدمی کا چہرہ سامنے آ جائے گا جو اس منصوبے کا لیڈر ہے ۔ اگر وہ پولیس کو مطلوب نہ بھی ہوا تو بھی ان کی نگرانی جاری رکھی جائے گی اور وہ اپنے منصوبے پر عمل نہیں کر سکیں گے ۔"

"لیکن ابا جان، اس طرح ہمیں یہ کبھی بھی نہیں معلوم ہو سکے گا کہ وہ کس کی تجوری لوٹنا چاہتے تھے ۔" فرزانہ نے کہا ۔

"ہاں، میں بھی یہی کہنے والا تھا ۔ اب دوسری صورت یہ ہے کہ معاملات کو یوں ہی چلنے دیں اور دیکھیں کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں ۔"

اس طرح ہمیں نہ جانے کتنے دن تک انتظار کرنا پڑے، جب کہ غیر جاسوسی پارٹی نے ہمارا مکمل طور پر بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دیا ہے ۔" فاروق نے انہیں خبر سنائی ۔

"غیر جاسوسی پارٹی، کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم اپنے وعدے سے پھر گئے ہیں۔ یہاں آتے ہی ایک عدد چکر میں الجھ گئے ہیں یا ایک عدد چکر نے ہمیں اپنے دام میں الجھا لیا ہے، لہذا بطور احتجاج ہم چاروں کے علاوہ باقی لوگ ایک پارٹی بن گئے ہیں اور ہمیں انہوں نے جاسوس پارٹی کا نام دے دیا ہے۔ غیر جاسوسی پارٹی اس وقت تک ہم سے کوئی سروکار نہیں رکھے گی، جب تک کہ ہم اس چکر سے اپنے آپ کو نکال نہ لیں۔"

"اوہ، چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا، وہ سیر و تفریح کرتے رہیں گے اور ہم اس کیس پر کام۔ تو پھر کیا تم تینوں کا یہ مشورہ ہے کہ ہم اس دروازے پر جا کر دستک دے دیں۔"

"جی ہاں، اس طرح کم از کم ہم رانا نامی آدمی کے بارے میں تو الجھن میں نہیں رہیں گے۔ آپ ہمیں بتا سکیں گے کہ یہ رانا صاحب کون ذاتِ شریف ہیں اور آپ انہیں اور وہ آپ کو کس طرح جانتا ہے۔"

"تو پھر آؤ، جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ میں یہاں کے ایس پی سے کہہ کر ان کی مستقل نگرانی شروع کرا دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی وقت زینے کی طرف سے ایک آدمی برآمدے کے آخری سرے کی طرف چلا گیا۔ آگے

جا کر برآمدہ بائیں ہاتھ مڑ گیا تھا۔ ہوٹل کی عمارت چوکور شکل کی تھی، لیکن برآمدے صرف لمبائی کے رخ ہی تھے، چوڑائی کے رخ نہیں تھے، یعنی آمنے سامنے کے دونوں برآمدے آپس میں ملے ہوئے نہیں تھے۔ اس لیے برآمدے کے آخری سرے سے زینے کی طرف آنے کے لیے واپس آنا پڑتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ انسپکٹر جمشید دروازہ کھول کر کمرے میں بیٹھے رہے تھے، اگر باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ ہوتا تو وہ اس طرح نہ بیٹھ رہتے۔

وہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئے تو انہوں نے اس آدمی کو کمرہ نمبر ۵۳ کے سامنے رکتے دیکھا اور پھر اس نے دروازے پر دستک دے ڈالی۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید بھی تیزی سے آگے بڑھے، تاکہ دروازہ کھلتے ہی اندر جھانک لیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا، لیکن پھر دروازے کے قریب پہنچ کر ان کے قدم سست پڑ گئے، کیونکہ دستک کے جواب میں دروازہ نہیں کھلا تھا اور وہ آدمی دوبارہ دستک دے رہا تھا۔

انہوں نے دیکھا، وہ ہوٹل کی وردی میں تھا، لیکن کوئی بیرا نہیں تھا۔

"کیا بات ہے جناب؟" انسپکٹر جمشید نزدیک پہنچ کر بولے۔

"کوئی بات نہیں، اس کمرے کے مسافر کو کوئی صاحب کئی بار فون کر چکے ہیں۔ پہلی مرتبہ فون کا ریسیور اٹھایا گیا تھا، لیکن کسی نے بات نہیں کی اور ریسیور میز پر رکھ دیا گیا۔ ان صاحب نے ہوٹل کی انتظامیہ سے درخواست کی کہ معلوم کیا جائے، کیا بات ہے۔ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے، لہٰذا کاؤنٹر کلرک نے مجھے اطلاع دی اور میں یہاں چلا آیا۔ میں دراصل اس ہوٹل کا جاسوس ہوں۔"

"ہوٹل کا جاسوس۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں۔" یہ کہہ کر اس نے تیسری بار دستک دی۔

"آپ کے پاس اس کمرے کی چابی تو ہوگی۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"جی ہاں۔"

"تو پھر دروازہ کھول کر دیکھ لیجیے۔"

"لیکن اس سے پہلے مجھے مینجر صاحب سے اجازت لینا ہوگی۔"

"تو اجازت لے لیں۔ اندر ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔"

"گڑبڑ، یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" ہوٹل کا جاسوس چونکا۔

"دیکھیے نا، پہلی مرتبہ جب فون کیا گیا، اس وقت کسی

نے ریسیور اٹھایا، لیکن فون سننے کے بجائے ریسیور میز پر رکھ دیا، آخر کیوں۔ اب آپ تین بار دستک دے چکے ہیں۔ لیکن کوئی دروازہ نہیں کھولتا۔ صاف ظاہر ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے، آپ بھی مجھے آدھے جاسوس نظر آتے ہیں۔" ہوٹل کے جاسوس نے مسکرا کر کہا۔ آدھے جاسوس پر محمود، فاروق اور فرزانہ کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

"آپ لوگ ذرا یہیں ٹھہریے، میں مینجر صاحب سے اجازت لے آؤں۔"

"تو آپ پھر نیچے جائیں گے۔"

"نہیں، اس وقت مینجر صاحب اپنے کمرے میں ہی ہوتے ہیں۔ انہیں اسی منزل پر دو کمرے ملے ہوئے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ آخری کمرے کی طرف چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کمرہ نمبر ۶۰۰ کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ جلد ہی انہوں نے اسے ایک لمبے قد کے آدمی کے ساتھ آتے دیکھا۔ اس لمبے آدمی کو دیکھ کر انسپکٹر جمشید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

○

لمبے آدمی نے ابھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہوٹل کے جاسوس کی طرف متوجہ تھا اور اس کی بات سن رہا تھا۔ پھر جوں ہی وہ کمرے کے دروازے کے نزدیک پہنچے، لمبے آدمی کی نظر ان پر پڑی۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ ہمارے ہوٹل کے مینجر ہیں جناب، انہوں نے دروازہ کھولنے کی اجازت دے دی ہے، لہذا میں دروازہ کھول رہا ہوں۔" ہوٹل کے جاسوس نے ان کی طرف توجہ دیے بغیر کہا اور تالے کے سوراخ میں چابی گھمانے لگا۔ دوسری طرف مینجر ابھی تک بت بنا کھڑا تھا۔ انسپکٹر جمشید کا دایاں ہاتھ اب جیب میں تھا۔ انہوں نے سرگوشی میں کہا۔

"میرا ہاتھ جیب میں ہے اور جیب میں رکھے پستول کی نالی کا رخ تمہاری طرف ہے۔ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں تم پر فائر کرنے میں ذرا دیر نہیں لگاؤں گا۔"

ان الفاظ کو صرف ہوٹل کا مینجر، محمود، فاروق اور فرزانہ ہی سن سکے۔ ہوٹل کا جاسوس نہیں سن سکا۔ وہ تو دروازہ

کھولنے میں مصروف تھا۔

"محمود، تم ۹۴۶۸۰ پر فون کر کے میرا نام لو اور کہو کہ ہوٹل کہکشاں کی چھٹی منزل پر مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ جاؤ اپنے کمرے سے فون کرو۔"

"جی بہتر۔" محمود نے کہا اور مڑ گیا۔ مینجر کا رنگ اور بھی سفید پڑ گیا۔

اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ ہوٹل کے جاسوس نے اسے دھکیلا، لیکن وہ تھوڑا سا کھسک کر رہ گیا۔

"ارے دوسری طرف تو صوفہ اڑایا گیا ہے۔"

"محتاط رہیے، اس طرف سے گولی بھی آ سکتی ہے۔"

"ارے باپ رے۔" جاسوس کے منہ سے نکلا، پھر اس نے دیوار کی اوٹ لیتے ہوئے دروازے کو زور لگا کر کھول ڈالا، صوفہ کھسک گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے ہوٹل کا جاسوس لڑکھڑا کر باہر نکلا۔ اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"مم۔ مینجر صاحب، اندر۔ اندر۔ دو لاشیں۔"

"دو لاشیں۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا، لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں؛ البتہ فاروق اور فرزانہ ضرور دروازے کی طرف لپکے۔

"آپ کو کیا ہو گیا مینجر صاحب، کیا آپ ان لاشوں کو

نہیں دیکھیں گے۔"

"نہیں جاسوس صاحب، انہیں لاشیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ لاشیں ان کے لیے کوئی نئی بات نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب، کیا آپ ایک دوسرے سے واقف ہیں؟"

"جی ہاں بہت اچھی طرح۔ ہم بہت پرانے دوست ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ، میں سمجھا۔ لاشوں والا جملہ آپ نے مذاق میں کہا تھا۔" جاسوس نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"ابا جان، اندر ڈوجر اور جیلے کی لاشیں موجود ہیں۔ تیسرے صاحب کا کوئی پتا نہیں۔" فرزانہ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تیسرے صاحب ہمارے سامنے کھڑے تو ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب؟" مینجر کے حلق سے پہلی بار آواز نکلی۔

"ابھی سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔"

"لیکن اس واردات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نہیں جانتا یہ ڈوجر اور جیلا کون ہیں۔"

"ابھی پتا لگ جائے گا۔ بغیر ثبوت کے میں اس واردات کی

ذمے داری آپ پر نہیں ڈالوں گا، لیکن بچ تو آپ پھر بھی نہیں سکیں گے۔"

مینجر کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ اب ہوٹل کا جاسوس بھی انہیں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے سرسراتی آواز میں پوچھا:

"آپ۔ آپ کون ہیں؟"

"آدھا جاسوس۔" وہ مسکرائے۔

اب وہ پولیس کا انتظار کرنے لگے۔ آدھ گھنٹے بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے دیکھا، ایک پولیس افسر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا آ رہا تھا۔ اس کا قد لمبا اور جسم پتلا دبلا سا تھا؛ تاہم چہرے پر بشاشت تھی۔

"ہیلو انسپکٹر جمشید صاحب، آپ اور ہمارے قصبے میں۔" پولیس افسر نے دور سے ہی کہا۔

"انسپکٹر جمشید۔" ہوٹل کے جاسوس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اسے خدا کی قدرت کہہ لیجیے باجوا صاحب، کیسے کیا حال چال ہیں۔"

"ایک دم فسٹ کلاس۔ ہر طرف امن ہی امن ہے، نہ

کوئی چوری چکاری نہ ڈاکا، نہ لوٹ مار، نہ قتل و غارت۔ نتیجہ
کہ راوی عیش ہی عیش لکھتا ہے۔"

"لیکن باجوا صاحب، ہمارے یہاں ہوتے ہوئے راوی
عیش ہی عیش لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہائیں، کیا مطلب؟" باجوا چونکا۔

"انہیں جانتے ہیں آپ؟" انہوں نے مینیجر کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں، کیوں نہیں — یہ اپنے اس ہوٹل کہکشاں کے
مینیجر ہیں۔ رائے ایاز ان کا نام ہے۔ بہت نیک سیرت انسان
ہیں۔ میری بہت قدر کرتے ہیں۔ جب بھی آتا ہوں، خوب آؤ
بھگت کرتے ہیں۔"

"لیکن اس بار یہ آپ کی آؤ بھگت نہیں کریں گے، بلکہ
آپ کو ان کی آؤ بھگت کرنا پڑے گی۔"

"جی کیا مطلب، مجھے آؤ بھگت کرنا ہوگی۔ خیر، کوئی بات
نہیں، اب میں اتنا غریب بھی نہیں۔"

"تو پھر انہیں حراست میں لے لیجیے، کیونکہ ابھی ہمیں اس
کمرے کا معائنہ بھی کرنا ہے۔"

"جی کیا فرمایا، حراست میں لے لو۔"

"ہاں، کیونکہ یہ رائے ایاز نہیں، وہ بے رحم انسان ہے جو
لوگوں کے بچے اغوا کر کے لمبی لمبی رقمیں ان کے والدین سے

وصول کرتا تھا اور اب شاید اس نے ان لمبی رقموں سے یہ ہوٹل
خرید لیا ہے اور بظاہر اس کا مینیجر بنا ہوا ہے۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"پانچ سات سال پہلے کے اخبارات نکلوا کر دیکھیے گا۔
آپ کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، اسے حراست میں
لے لیں اور کمرے کے اندر چلیں، کیونکہ باقی ماندہ تحفہ آپ
کے لیے کمرے میں موجود ہے۔"

"یہ آپ مجھے کیسے تحفے دے رہے ہیں؟" باجوا نے
اپنے ماتحتوں کو اشارا کیا اور انہوں نے رائے ایاز کو گرفتار
کر لیا۔

"حیرت ہے، اس نے اپنا حلیہ تبدیل کرنے کی کوشش
کیوں نہیں کی۔"

"سات آٹھ سال پہلے کے حلیے میں اور اس وقت کے
حلیے میں زمین آسمان کا فرق ہے جناب، لیکن میری نظروں
سے یہ کیسے بچا رہ سکتا تھا۔"

رائے ایاز کو ہتھکڑی پہنا دی گئی۔

"لیکن ابا جان، اب اس ہوٹل کا کیا بنے گا۔ اس
کا مالک کون ہوگا۔"

"وہ تمام والدین اب اسے شراکت میں چلائیں گے، جن

کے بچے اغوا کیے گئے تھے اور پھر بڑی بڑی رقمیں لے کر چھوڑ
گئے۔ اب وہی اس ہوٹل کے مالک ہوں گے، کیونکہ یہ
انہی کے پیسوں سے خریدا گیا ہے۔"

"ویری گڈ، یہ تو بہت شاندار فیصلہ ہے۔" محمود نے
خوش ہو کر کہا۔

"اور اب آئیے باجوا صاحب، کمرے میں چلتے ہیں۔"

کمرے میں داخل ہوتے ہی باجوا کا رنگ فق ہو گیا۔ اس
کی نظریں دونوں لاشوں پر جیسے جم سی گئیں، پھر اس کے
منہ سے نکلا۔

"اف خدا، یہ کس نے کیا ہے؟"

"تمہارے رائے ایاز نے۔"

"نہیں نہیں، میں قاتل نہیں ہوں۔ میں نے بچے اغوا
کر کے دولت ضرور حاصل کی تھی، لیکن کبھی کسی انسان کے
خون سے ہاتھ نہیں رنگے۔"

"بچے اغوا کرنا انسانی قتل سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔
ایسا آدمی ایک بچہ اغوا نہیں کرتا، پورے ایک خاندان کو
زندہ درگور کر دیتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نفرت سے بھرپور
لہجے میں بولے۔

"اس کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ میں نے ان دونوں کو

قتل نہیں کیا۔ میں تو انہیں جانتا بھی نہیں کہ یہ کون ہیں۔"

"خیر، تفتیش سے بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ یہ کام
تمہارا ہے یا نہیں۔ باجوا صاحب، آپ اپنا کام شروع
کرائیے۔ فون کے ریسیور پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات
موجود ہیں۔"

تھوڑی دیر کی کارروائی کے بعد یہ بات معلوم ہو گئی
کہ کمرے کی کسی چیز پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات نہیں
تھے۔ ریسیور پر سے بھی نشانات مٹا دیے گئے تھے، لہٰذا
یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کام میں رائے ایاز کا ہاتھ
ہے یا نہیں؛ البتہ سابقہ جرائم کی بنیاد پر اسے حوالات میں
بند کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

"باجوا صاحب، اب آپ کاؤنٹر کلرک کو بلوائیے۔ اس
سے کہہ دیں، مسافروں کا رجسٹر ساتھ لائے۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ مینیجر کے کمرے میں ہی اپنا تفتیشی دفتر جمائے بیٹھے
تھے۔ کلرک کافی سہما ہوا تھا۔

"کمرہ نمبر ۵۳۷ میں کون ٹھہرا ہوا تھا؟"

"ایک مسافر، اس نے اپنا نام جون بینگل لکھوایا تھا۔
اس نے کمرے کا کرایہ ایڈوانس ادا کیا تھا۔"

"کتنے دن کا ؟"

"ایک ہفتے کا۔"

"اس کا حلیہ بتا سکتے ہو ؟"

"جی ہاں، سب کچھ رجسٹر میں درج کیا جاتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے رجسٹر کھولا اور حلیہ پڑھنے لگا :

"لمبا قد، گورا رنگ، آنکھیں بلی، ناک آگے کو جھکی ہوئی، عمر تقریباً پینتالیس سال۔"

"یہاں ٹھہرے اسے کتنے دن ہو گئے ؟"

"آج پانچواں دن ہے۔"

"ہوں، باجوا صاحب، آس پاس کی سراؤں اور چھوٹے موٹے ہوٹلوں سے یہ پتا چلانے کی کوشش کیجیے کہ ڈوجر وہاں تو نہیں ٹھہرا ہوا تھا — یہ اصل نام سے تو ٹھہرا نہیں ہوگا، حلیہ بتا کر یہ کام لیا جا سکتا ہے۔"

"بہت بہتر۔" انہوں نے کہا اور اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے لگے۔ انسپکٹر جمشید پھر کلرک کی طرف متوجہ ہو گئے —

"تو اسے یہاں ٹھہرے ہوئے پانچ دن ہو گئے تھے، کیا اس دوران وہ ہوٹل کے ہال میں کھانا کھاتا رہا ہے اور گھومنے پھرنے باہر جاتا رہا ہے ؟"

"جی نہیں، وہ اپنا کھانا کمرے میں منگاتا تھا اور کم از

کم میں نے تو اسے کہیں آتے جاتے نہیں دیکھا؛ گویا وہ کمرے میں ہی بند ہو کر رہ گیا تھا۔"

"اچھی بات ہے، اب آپ جا سکتے ہیں — آئیے باجوا صاحب، ذرا کمرے کا ہم بھی جائزہ لے لیں، کیونکہ ہم ابھی تک یہ بات معلوم نہیں کر سکے کہ قاتل اندر سے باہر کیسے نکل گیا — دراصل غلطی فرزانہ سے ہوئی ہے۔"

"جی، کیا مطلب ؟" فرزانہ چونکی۔

"تم نے اس کمرے کے دروازے سے کان لگا کر اندر کی آوازیں سننے کی کوشش تو کی، لیکن تالے کے سوراخ سے آنکھ لگا کر اندر جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔"

"لیکن ابا جان، اس سے کیا فائدہ حاصل ہو جاتا — حلیہ تو آپ کو کاؤنٹر کلرک بھی بتا چکا ہے۔"

"تم اس سے بہتر حلیہ بتا سکتی تھیں اور یہ بھی بتا سکتی تھیں کہ وہ آدمی میک اپ میں تو نہیں تھا۔"

"اوہ ہاں واقعی۔" اس نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

وہ کمرے سے نکلنے ہی والے تھے کہ باجوا صاحب کے ماتحت کچھ سامان اٹھائے وہاں پہنچ گئے —

"یہ سامان ڈوجر کا ہے جناب، وہ آج ہی سرائے میں پہنچا تھا اور سامان رکھ کر ناشتا کرنے یہاں آیا تھا۔"

"اوہ، اس سامان کو کھولو۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

"پورے سامان میں صرف عام چیزیں تھیں، ہر چیز سے غربت ٹپک رہی تھی؛ تاہم انہیں ایک چیز مل ہی گئی، اور یہ ایک تار تھا۔ تار وادی جبروت سے ہی بھیجا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا:

"اگر تم ایک بہترین ملازمت چاہتے ہو تو اس ماہ کی نو تاریخ کو وادی جبروت پہنچ جاؤ اور صبح ناشتا ہوٹل کہکشاں میں کرو۔"

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

دوسرا جواب

تار سب نے پڑھا۔ آج نو تاریخ ہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈوجر اس بلاوے پر ہی یہاں آیا تھا اور اسے جیلے کے اشارے پر بلایا گیا تھا۔ بلانے والا رانا کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔ آخر وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ اس وقت تک ضروری کارروائی ہو چکی تھی۔ فرش سے خون بھی صاف کر دیا گیا تھا، لہذا وہ بلا کھٹکے اندر چلے آئے۔ دروازے کے سامنے کمرے میں ایک چھوٹا دروازہ اور تھا۔ یہ کھلا تھا اور اس میں سے بالکونی انہیں صاف نظر آ رہی تھی۔

"قاتل اس بالکونی کے راستے ہی فرار ہو سکتا تھا۔" باجوا صاحب بولے۔

"لیکن کیسے؟ اس نے بالکونی سے چھلانگ تو لگائی نہیں ہوگی۔ یہ ہوٹل کی چھٹی منزل ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

بالکونی میں پہنچنے پر انہیں معلوم ہوا کہ اس لائن کے

تمام کمروں کی یہ مشترکہ بالکونی تھی؛ گویا اس کے کسی بھی راستے کسی بھی کمرے تک جا سکتے تھے۔ بشرطیکہ اس کمرے کا چھوٹا دروازہ کھلا مل جائے۔

"اب فرض کیا، قاتل قتل کرنے کے بعد اس بالکونی کے ذریعے زینے کی طرف چلا اور اسے کسی ایک کمرے کا چھوٹا دروازہ کھلا مل گیا، تو وہ اس میں داخل ہو گیا اور اس کمرے کے مسافر سے اس نے یہ کہہ دیا کہ اس سے اپنے کمرے کی چابی کہیں گر گئی ہے، تو صاف ظاہر ہے، وہ مسافر اس کے لیے کمرے کا دروازہ کھول سکتا اور وہ فرار ہو سکتا تھا۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"بلکہ اس صورت میں اگر اسے تمام کمروں کے چھوٹے دروازے بند بھی ملے ہوں گے، تو بھی اس نے کسی ایک دروازے پر دستک دے کر کسی بہانا کیا ہو گا۔ میرا خیال ہے ہمیں اس لائن کے تمام کمروں کے مسافروں سے پوچھ گچھ کرنا ہو گی۔" محمود، فاروق اور فرزانہ، تم اس کام پر جٹ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر۔" محمود نے فوراً کہا۔

"لیکن اس سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ کیا تمام کمروں میں چھوٹے دروازے موجود ہیں جو بالکونی میں کھلتے ہیں۔"

"جی بہتر، یہ تو ہم بالکونی میں پھر کر بھی دیکھ سکتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا اور ایک سمت میں چلی گئی، پھر واپس مڑی اور بولی:

"جی ہاں، تمام کمروں کے چھوٹے دروازے بالکونی میں کھلتے ہیں۔"

"تب تو وہ ضرور اسی طرح فرار ہوا ہے، لیکن مجھے حیرت ہے کہ اسے جاتے کسی نے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک نے بھی نہیں دیکھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ابا جان، ایک تو یہ کہ شاید فرار ہوتے وقت اس نے اپنے حلیے میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی ہو گی، یا پھر...؟" فاروق کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"یا پھر کے بعد تمہاری گاڑی اٹک کیوں گئی۔" فرزانہ بھنا کر بولی۔

"اچھے اچھوں کی گاڑیاں اٹک جاتی ہیں، یہاں تک کہ محکمہ ریلوے کی گاڑیاں گھنٹوں اٹک جاتی ہیں، میں تو ہوں کس کھیت کی مولی۔"

"بھئی تم مولی نہیں، انسان ہو۔" باجوا صاحب نے گویا اسے یاد دلایا۔

"اوہ، واقعی۔ یاد دہانی کے لیے شکریہ انکل۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"فاروق، تم نے دوسرا جواب نہیں بتایا۔"

"دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے، وہ ہوٹل سے فرار ہی نہ ہوا ہو۔"

"فرار ہی نہ ہوا ہو۔ کیا مطلب؟ کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" محمود نے تنک کر کہا۔

"ہاں، میرا دماغ واقعی چل گیا ہے، کیونکہ جو چیز ٹھہر جاتی ہے، بے کار ہو جاتی ہے — میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے، اس نے پانچویں یا کسی اور منزل پر بھی ایک اور کمرہ لے رکھا ہو، یا پھر عین ممکن ہے کہ اسی منزل پر اس نے ایک اور کمرہ لے رکھا ہو اور اس وقت وہ نہایت اطمینان سے بیٹھا دل ہی دل میں ہم پر ہنس رہا ہو، کیونکہ وہ کئی روز پہلے اس ہوٹل میں آ کر ٹھہرا تھا — کیا یہ بات ممکن نہیں کہ ایک روز وہ ہوٹل سے سیر کرنے نکلا ہو اور حلیہ تبدیل کر کے ہوٹل میں داخل ہوا ہو اور اس نے ایک اور کمرہ کرائے پر لے لیا ہو۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے اسے معلوم ہو کہ اسے دو آدمیوں کو قتل کر کے فرار ہونا پڑے گا، جب کہ واردات اسے مجبوراً کرنا پڑی ہے — وہ ابا جان کی آمد

سے خوف زدہ ہو گیا تھا اور وہ بھی اس لیے کہ انہوں نے ڈوجر اور جیلے کو دیکھ لیا تھا۔" فرزانہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"مجرمانہ ذہنیت کے لوگ اپنے فرار کا راستہ پہلے ہی سوچ کر رکھتے ہیں — تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم۔" فاروق نے بھی تلملا کر کہا۔

"اچھا اچھا لڑو نہیں، باتیں فاروق کی بھی بہت با وزن ہیں اور دلیل فرزانہ کی بھی کمزور نہیں — اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ دراصل ہوا کیا ہے اور وہ شخص کرنا کیا چاہتا ہے اور اب ڈوجر اور جیلے کے بغیر کیسے اپنا مقصد حاصل کرے گا، جب کہ جیلے نے اس سے یہ کہا تھا کہ اس منصوبے کے لیے ڈوجر بہت ضروری شخص ہے۔" انسپکٹر جمشید نے انہیں سمجھایا —

"تو پھر ہم پہلے اس لائن کے کمروں کے مسافروں سے پوچھ گچھ کر لیں۔"

"ہاں، یہ ضروری ہے۔ اس کے بعد ہم تمام کمروں کے مسافروں کو بھی چیک کریں گے — اگرچہ یہ بہت صبر آزما کام ہو گا اور کرنا بھی خود مجھے پڑے گا، کیونکہ اس شخص کو صرف میں پہچان سکتا ہوں۔"

"آپ چھ سو آدمیوں کو چیک کریں گے۔"

"اگر اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ باہر نکل کر ایک ایک کے دروازے پر دستک دینے لگے۔ اس طرح ایک ہی وقت میں تین کمرے فارغ ہونے لگے۔ خود ان کے کمرے بھی اسی لائن میں تھے اور اتفاق سے کمرہ نمبر ۵۱۰ فاروق کے حصے میں آیا۔ پہلے تو وہ مسکرا کر آگے بڑھنے لگا، پھر شرارت جو سوجھی تو دروازے پر دستک دے بیٹھا۔ دروازہ خان رحمان نے کھولا۔ حامد بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی بولا:

"جاسوس پارٹی کا غیر جاسوس پارٹی کے دروازے پر کیا کام، جاؤ اپنا کام کرو۔"

"اپنا کام ہی تو کر رہے ہیں، ذرا ادب سے بات کرو، اس وقت میں ایک تفتیشی افسر کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔ آپ لوگوں کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ اس اس منزل پر دو قتل ہو چکے ہیں۔"

"ہاں، یہ بات تو اب تک پورے ہوٹل میں پھیل چکی ہے۔"

"تو اسی سلسلے میں میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کسی شخص

نے بالکونی کے راستے اندر داخل ہو کر باہر نکلنے کی اجازت تو نہیں مانگی تھی۔"

"ہاں مانگی تھی۔" حامد نے ہنس کر کہا۔

"مذاق نہ کرو، اس وقت میں بہت سنجیدہ ہوں۔"

"تو میں مذاق کب کر رہا ہوں۔ ابا جان سے پوچھ لو۔"

"کیا مطلب؟" فاروق چونکا۔

"ہاں فاروق، یہ ٹھیک ہے کہ ایک شخص نے بالکونی کے ذریعے داخل ہو کر باہر نکلنے کی اجازت مانگی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کی چابی ادھر ادھر ہو گئی ہے۔"

"کیا؟" فاروق چلایا اور پھر اس کے منہ سے قہقہہ ابل پڑا۔

محمود اور فرزانہ بوکھلا کر اس کی طرف مڑے اور پھر دوڑ کر اس کے پاس پہنچے۔

"ہائیں ہائیں، فاروق، خدا تم پر رحم کرے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم وادیٔ جبروت میں آ کر پاگل ہو جاؤ گے۔" فرزانہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"تو تمہارے خیال میں اسے کہاں جا کر پاگل ہونا چاہیے تھا۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کم از کم ہیں....."

"بکو مت، میں پاگل نہیں ہوا۔ سراغ مل گیا ہے، قاتل ہمارے کمرے کے ذریعے فرار ہوا ہے۔"

"کیا؟" اس مرتبہ وہ دونوں چلائے تھے۔

○

ان کی چیخ کی آواز انسپکٹر جمشید کے کانوں تک پہنچ گئی۔ وہ صورت حال معلوم کرنے کے لیے اٹھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو، باجوہ بول رہا ہوں۔" باجوہ صاحب نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"سر، دفتر سے بات کریں۔ نیچے سے ان کے ایک ماتحت نے کہا، پھر فوراً ہی ان کے اسسٹنٹ کی آواز ابھری۔

"ہیلو سر، وہ کار مل گئی ہے، جس کے ذریعے قاتل فرار ہوا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"قاتل نے ہوٹل کہکشاں کے باہر کھڑی ایک کار چرائی تھی۔ کار کے مالک نے فوراً ہی ہمیں فون کیا تھا اور ہم نے

اس کار کی تلاش شروع کر دی تھی۔ وہ کار ہمیں وادی سے باہر جانے والی سڑک پر مل گئی ہے۔"

"لیکن تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ وہ کار قاتل نے ہی چرائی تھی۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کار کسی کار چور نے چرائی ہو۔"

"کمرہ واردات سے جو نشانات اٹھائے گئے ہیں، ان میں سے ایک جوتے کے نشان سے ملتا جلتا نشان کار میں پایا گیا ہے۔"

"ویری گڈ، پھر تو ہم پہنچ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور انسپکٹر جمشید کو نئی خبر سنائی۔

"آئیے، پہلے تو یہ دیکھیں کہ ان تینوں کو کیا ہوا ہے، معلوم ہوتا ہے، انہوں نے بھی سراغ لگا لیا ہے۔"

آخر وہ کمرہ نمبر ۵۱۰ کے سامنے جا پہنچے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بت بنے کھڑے تھے۔ کمرے کے اندر موجود ان کے ساتھی برے برے منہ بنا رہے تھے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ کیا بات ہے تو وہ بے ساختہ ہنس دیے، کیونکہ وہ لوگ بھی جاسوسی کے جال میں پھنسنے لگے تھے۔

آخر وہ باجوہ صاحب کی جیپ میں وادی سے باہر جانے والی سڑک کی طرف روانہ ہو گئے۔ آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد

ایک جگہ باجوہ صاحب کے اسسٹنٹ سڑک کے کنارے کھڑے نظر آئے ۔ انہوں نے جیپ روک لی اور نیچے اتر آئے ۔

کار کا معائنہ کیا گیا تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ کار قاتل ہی لے کر بھاگا تھا ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ کار اس جگہ چھوڑ کر کس طرف گیا ۔ یا وادی سے نکل گیا اور اگر نکل گیا تو کس طرح ۔ اسے یہاں دوسری سواری کس طرح مل گئی ۔

" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کچھ اور ساتھی بھی یہاں موجود ہیں اور وہ اس کی مدد کر رہے ہیں ۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے ۔

" ہوں، ضرور یہی بات ہے، لیکن اپنا مقصد حاصل کیے بغیر وہ وادی سے جا تو نہیں سکتا ۔ وہ ضرور واپس ہی گیا ہے ۔ اس جگہ کار چھوڑ کر شاید وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ وادی سے فرار ہو گیا ہے ۔"

" ہوں، آئیے واپس چلتے ہیں ۔ میرے لیے جو سوال سب سے زیادہ پریشان کن ہے، وہ یہ ہے کہ آخر وہ کرنا کیا چاہتا ہے ۔ باجوہ صاحب، آپ کے دفتر میں وادی کا تفصیلی نقشہ تو ہو گا ۔" انہوں نے اچانک کسی خیال کے تحت کہا ۔

" بالکل ہے ۔" انہوں نے کہا ۔

" تو پھر چلیے ۔ ذرا آپ کے دفتر کا بھی چکر لگا آئیں ۔ مجھے ابھی ابھی ایک خیال سوجھا ہے ۔"

" خدا کا شکر ہے کہ کم از کم ایک خیال تو سوجھا ۔" فاروق نے اطمینان کا سانس لیا ۔

" جی ہاں، ورنہ اس کا تو خیال تھا کہ آپ کو آج کوئی خیال نہیں سوجھے گا ۔" فرزانہ نے منہ بنایا ۔

" بلا وجہ ہی جلی بھنی جا رہی ہو ۔"

" بلا وجہ تو میری جوتی بھی نہیں جلتی ۔" فرزانہ بولی ۔

" دھت تیرے کی، باجوا صاحب کا ہی کچھ خیال کر لو ۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا ۔

" کیوں بھئی، مجھے تو ان کی باتیں بہت لطف دے رہی ہیں ۔"

" یہی تو مصیبت ہے ۔ ان کی باتیں ہر ایک کو لطف دینے لگتی ہیں ۔" محمود بولا ۔

" تو تم بھی اپنی باتوں کو پر لطف بنا لو، تمہیں کس نے منع کیا ہے ؟"

" لیجیے باجوا صاحب، اب تھوک کے حساب سے لطف لے لیجیے، کیونکہ اب یہ نہیں رکیں گے ۔"

" اچھا، میں بھی یہی چاہتا ہوں ۔" باجوا صاحب نے خوش

ہو کر کہا۔

"انکل، آپ بھی کن کی باتوں میں دل چسپی لینے لگے۔"

محمود نے منہ بنایا۔

اور وہ مسکرا اٹھے۔ پولیس سٹیشن کے سامنے پہنچ کر وہ جیپ سے اترے اور اندر کی طرف بڑھے۔ اسی وقت ان کے کانوں میں کسی عورت کے رونے کی آواز آئی۔ ان کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے۔ عورت مسلسل رو رہی تھی۔

اندرونی کمرے کے دروازے پر انہیں وہ عورت نظر آ گئی۔ وہ فرش پر اکڑوں بیٹھی تھی اور ایک لمبے قد کا آدمی بے چارگی کے عالم میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ قدموں کی آواز سن کر اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"آپ آ گئے سر۔"

"ہاں بھئی، یہ کیا معاملہ ہے۔" باجوا صاحب نے اس عورت کی طرف اشارا کیا۔

"اس عورت کے خاوند کو کسی نے اغوا کر لیا ہے جناب۔ میں نے رپورٹ درج کر لی ہے اور اسے اطمینان دلایا ہے کہ اسی وقت سے اس کے خاوند کی واپسی کی کوشش شروع کر دی جائے گی، لیکن یہ ہے کہ برابر روئے جا رہی ہے اور گھر جانے پر تیار نہیں۔ کہتی ہے، اپنے خاوند کو لے

کر ہی جاؤں گی۔"

"اوہ۔" باجوا صاحب کے منہ سے نکلا، پھر وہ ہمدردانہ لہجے میں بولے۔

"دیکھو بی بی، تم گھر جاؤ، ہم پوری کوشش کریں گے۔"

"جی نہیں، میں نہیں جاؤں گی۔ اگر میں گھر چلی گئی تو آپ لوگ انہیں سرے سے تلاش نہیں کریں گے۔"

"اچھا، جیسے تمہاری مرضی۔ ارشد صاحب، چند کانسٹیبل اس کے خاوند کا حلیہ بتا کر ادھر ادھر روانہ کر دو۔ یہ ضرور کسی کی انتقامی کارروائی ہے اور اس سے معلوم کریں کہ اس کے خاوند کی کس کس کے ساتھ دشمنی ہے۔"

"معلوم کر چکا ہوں جناب، کہتی ہے، اس کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔"

"خیر، ہم اس وقت بری طرح مصروف ہیں۔ آپ ہی اس معاملے کو دیکھیں۔" یہ کہہ کر وہ انسپکٹر جمشید سے بولے:

"آیئے جمشید صاحب۔"

"اوہو، تو یہ جمشید صاحب ہیں۔" ارشد نے حیران ہو کر کہا، پھر ان سب سے ہاتھ ملایا اور وہ اندر کی طرف بڑھ گئے۔

"آپ مجھے نقشوں والے کمرے میں لے چلیے۔" انسپکٹر جمشید

نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

" ایسی بھی کیا جلدی ہے ــ کچھ دیر بیٹھیں گے نہیں ــ بھئی چائے وائے بھی ہو جائے گی "۔

" نہیں باجوا صاحب، میں بہت فکرمند ہوں ــ آخر وہ شخص چاہتا کیا ہے ــ بڑی الجھن یہ ہے کہ وہ مجھ سے اچھی طرح واقف ہے، لہذا اس کی گرفتاری میں مشکل پیش آنے کا امکان ہے۔ جتنا وقت ضائع ہوگا، وہ مجھ سے دور ہوتا چلا جائے گا ــ ایک بار مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ چاہتا کیا ہے، پھر میں اس سے نبٹ لوں گا "۔

" جیسے آپ کی مرضی، آئیے "۔

باجوا صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور بغلی دروازے کی طرف بڑھے ــ انسپکٹر جمشید نے بھی ان کا ساتھ دیا ــ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اٹھے، لیکن کمرے میں پہنچ کر جب باجوا صاحب نے مڑ کر دیکھا تو محمود، فاروق اور فرزانہ غائب تھے۔

" ارے، یہ تینوں کہاں گئے "؟

" میں جانتا ہوں، وہ کہاں گئے ہیں "۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

" کہاں گئے ہیں "؟ انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

" اس عورت کے پاس ــ اس کا دکھ ان سے دیکھا نہیں جائے گا "۔

" اوہ سمجھا، واقعی آپ کے بچے بھی خوب ہیں۔ ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی ہے ــ لیجیے، یہ رہا نقشوں کا کمرہ، لیکن میں حیران ہوں کہ آپ نقشوں میں کیا دیکھنا چاہتے ہیں "۔

" میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وادی جبروت کی خاص اہمیت کیا ہے۔ میرا مطلب ہے، ملکی ترقی کے سلسلے میں یہاں کیا کچھ ہو رہا ہے یا کیا کچھ کیا گیا ہے "۔

" لیکن موجودہ معاملے سے اس کا کیا تعلق "؟

" سیدھی سی بات ہے باجوا صاحب، وہ شخص جس نے ڈوجر اور جیلے کو قتل کیا ہے، ایک منصوبے پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے اسے ڈوجر جیسے تجوری چور کی ضرورت تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ کسی تجوری پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے، اگر بات صرف اتنی سی ہے تو یہ میرے لیے کوئی پریشان کن بات نہیں ہوگی، کیونکہ دولتمندوں کے ہاں چوریاں ہو ہی جایا کرتی ہیں ــ ایسی چوری کا سراغ تو بعد میں بھی لگایا جا سکتا ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ اس شخص کا منصوبہ قوم اور ملک کے لیے خطرناک نہ ہو "۔

" میرے خیال میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی "۔

انسپکٹر جمشید نقشے کی طرف متوجہ ہو گئے ــ پھر ان کی

پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئیں۔

"یہ بات تو مجھے معلوم تھی کہ وادیٔ جبروت میں گیس دریافت کی جا چکی ہے اور اس کی سپلائی بھی شروع ہو چکی ہے، لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ گیس کے ذخائر کتنے بڑے ہیں۔ یہاں سے تو پورے ملک کو گیس سپلائی کی جا رہی ہے۔"

"ہاں، اس گیس نے تو ملک کو نہال کر دیا ہے۔ اب تو کاروں میں بھی یہی گیس استعمال ہونے لگی ہے۔ ایندھن کا خرچ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے اور حکومت کو اربوں روپے سالانہ کی آمدنی الگ ہو رہی ہے۔"

"دوسرے یہاں ڈیم بنایا گیا ہے اور یہ بھی بہت بڑا ہے۔ بس یہی دو خاص اہمیتیں ہیں اس وادی کی۔ اب سوال یہ ہے کہ کہیں وہ شخص ان دونوں میں سے کسی ایک چیز کو نقصان پہنچانے کا منصوبہ تو نہیں بنائے ہوئے؟"

"کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔" باجوا صاحب کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ کیا خبر، وہ ہمارے دشمن ملک کا جاسوس ہو اور اہم تنصیبات اڑانے کے لیے اسے بھیجا گیا ہو۔"

"لیکن پھر اسے ڈوجر کی کیا ضرورت؟" باجوا صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ تو ان دونوں جگہوں کا معائنہ کرنے کے بعد ہی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کسی جگہ پر ڈوجر جیسے آدمی کا کام تو نہیں ہے۔"

"ہوں، شاید آپ کا خیال ہی ٹھیک ہو، لیکن میں تو صرف یہ سمجھتا ہوں کہ وہ کسی بہت بڑے دولت مند کی تجوری پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔"

"خدا کرے، بات صرف اتنی ہی ہو، کیونکہ میں اس کا سراغ کھو بیٹھا ہوں اور اب وہ نہ جانے کہاں ہوگا۔ وہ کسی وقت بھی اپنے منصوبے پر عمل شروع کر سکتا ہے۔ آئیے واپس چلیں۔ میں اس وقت ڈیم اور گیس پلانٹ کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ تھکن محسوس نہ کر رہے ہوں تو میرے ساتھ چلیے۔"

"میں ضرور آپ کا ساتھ دیتا، مگر میری بیوی کی طبیعت خراب ہے۔"

"اوہو، اچھا۔ آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا۔ خیر، میں ہی وہاں ہو آتا ہوں۔ بچے ساتھ چلے جائیں گے۔"

وہ باہر نکلے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ غائب تھے اور وہ عورت بھی۔

مزے دار کیس

انسپکٹر جمشید اور باجوا صاحب کے بغلی کمرے میں داخل ہوتے ہی محمود مڑا اور ان دونوں سے بولا:

"تم اگر ابا جان کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو، میں تو ذرا اس عورت سے ہمدردی کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں ہم بے رحم ہیں۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"یہ میں نے کب کہا۔ تم بھی آنا چاہو تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"ضرور آئیں گے۔ ہمدردی جتانے کا ایک تم نے ہی ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے۔" فاروق بولا۔

اور تینوں باہر کی طرف چلے۔ عورت ابھی تک اسی جوش و خروش سے رو رہی تھی۔ تینوں اس کے پاس فرش پر اکڑوں بیٹھ گئے۔ باجوا صاحب کا نائب ارشد انہیں عجیب

نظروں سے دیکھنے لگا، پھر کچھ خیال آیا تو باہر نکلا:

"آپ لوگ اندر کرسیوں پر بیٹھیے نا۔"

"جی نہیں، ہم ذرا ان سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں۔" محمود بولا۔

"تو میں کرسیاں یہاں ہی ڈلوائے دیتا ہوں۔"

"جی نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنی کرسی پر تشریف رکھیے۔" یہ کہہ کر محمود روتی ہوئی عورت کی طرف مڑا۔

"خالہ جی، آپ کے شوہر کیا کام کرتے ہیں۔"

"اب وہ کوئی کام نہیں کرتے۔ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔"

"اوہو، بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔ پہلے کیا کام کرتے تھے۔"

"کھجوریاں بنانے کی ایک فرم میں ملازم تھے۔"

"کیا؟" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں بیٹا، ان سے زیادہ ماہر چابیاں بنانے والا شاید ہی پورے ملک میں کوئی ہو۔"

"اوہ۔" ایک بار پھر ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"خالہ جی، آپ کا گھر یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"کافی دور ہے، کیوں؟"

"ہم آپ کے گھر کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ کے شوہر کو واپس لاکر دکھا دیں گے۔"

"تم — تم یہ کام کروگے۔" عورت نے حیران ہوکر کہا۔

"ہاں، ہم ایسے ہی کام کرتے رہتے ہیں — ہمارے والد ایس پی صاحب کے دوست ہیں۔"

"تو پھر چلو، میں تمہیں اپنا گھر دکھا دوں۔"

"چلیے۔" انہوں نے کہا، پھر ان کے ساتھ پولیس سٹیشن سے باہر نکلے — ارشد کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی جارہی تھیں۔

باہر نکل کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور عورت کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے — وہ ڈرائیور کو گھر کا راستہ بتاتی رہی۔ آخر وہ اس کے گھر کے پاس اترے — عورت نے تالا کھولا اور چاروں اندر داخل ہوگئے۔

"آپ کے کوئی اولاد نہیں ہے خالہ جی۔" فاروق نے دکھ بھرے لہجے میں پوچھا۔

"دو جوان لڑکے ہیں بیٹا۔"

"پھر کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتے۔"

"نہیں، خدا انہیں سکھی رکھے — شادی کے بعد وہ اپنے

بیوی بچوں کو لے کر الگ رہنے لگے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

"کیا ایسا انہوں نے آپ کی اجازت سے کیا ہے؟" فرزانہ نے پوچھا — نہ جانے کیوں اس کا جی بھی رونے کو چاہ رہا تھا۔

"نہیں بیٹا، کوئی ماں یہ نہیں چاہتی کہ اس کے بیٹے اس سے دور رہیں — انہوں نے بیویوں کے کہنے میں آکر علیحدگی اختیار کی ہے۔"

"اور آپ پھر بھی انہیں دعا دے رہی ہیں۔"

"ہاں، ماں کے دل سے تو اولاد کے لیے دعا ہی نکلتی ہے۔" اس نے سرد آہ بھری۔

دلوں پر بے پناہ بوجھ محسوس کرتے ہوئے انہوں نے گھر کا معائنہ شروع کیا — عورت انہیں اس کمرے میں لے آئی جس میں سے اس کے خاوند کو اغوا کیا گیا تھا۔ اس کمرے میں چھینا جھپٹی کے آثار تھے — بستر کی چادر فرش پر پڑی تھی۔ چارپائی فرش پر ٹیڑھی پڑی تھی — استعمال شدہ کچھ برتن بھی بکھرے پڑے تھے — فرش پر کئی قدموں کے نشانات تھے تینوں نے تنکوں کی مدد سے ان نشانات کی پیمائش کی، انہیں غور سے دیکھا اور چند باتیں نوٹ کیں، پھر

اٹھتے ہوئے بولے:

"وہ کتنے آدمی تھے؟"

"تین، انہوں نے اپنے چہرے سیاہ رومالوں میں چھپا رکھے تھے۔"

"واردات کیسے کی گئی، تفصیل بتائیں۔"

"ہم دونوں اسی کمرے میں ناشتا کر رہے تھے۔ ناشتے کے دوران اپنے بیٹوں کی باتیں کر رہے تھے کہ وہ تینوں گھر میں داخل ہوئے۔ ہم بوکھلا اٹھے، لیکن اس سے پہلے کہ ہم کوئی آواز نکال سکتے، انہوں نے گردنوں سے ہمیں پکڑ لیا۔ میرا گلا گھٹنے لگا اور پھر میں بے ہوش ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو انہیں غائب پایا۔" یہاں تک کہہ کر عورت خاموش ہو گئی۔

"کمرے کی حالت سے نظر آتا ہے کہ آپ کے شوہر نے کچھ جدوجہد کی تھی۔ خیر ہم بہت جلد انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ اب آپ کو پولیس سٹیشن جا کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔" محمود نے کہا۔

"بہت اچھا بیٹا، میں ان کا یہیں انتظار کر لوں گی۔" اس نے ایک بار پھر آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا۔

وہ واپس پولیس سٹیشن پہنچے تو انسپکٹر جمشید باجوا صاحب

کے کمرے میں ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہیں آتے دیکھ کر مسکرائے۔

"کہو بھئی، کیا معلوم کر آئے؟"

"اس عورت کے خاوند کو تین آدمیوں نے اغوا کیا ہے۔ ان تینوں نے اپنے چہرے سیاہ رومالوں میں چھپا رکھے تھے۔ خاص بات یہ کہ عورت کا خاوند تجوریوں کی ایک فرم میں کام کرتا رہا ہے اور چابیاں بنانے کا بہت بڑا ماہر ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا، پھر وہ بولے۔

"خیر دیکھیں گے، آؤ اب چلیں۔ ہمیں ڈیم تک جانا ہے۔"

"ڈیم۔"

"ہاں، سیر کرنے نہیں، تفتیش کرنے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہم جانتے ہیں، جاسوس پارٹی کا بھلا سیر سے کیا تعلق، سیر تو خیر جاسوس پارٹی کرتی پھر رہی ہو گی۔" فاروق نے مایوسانہ لہجے میں کہا اور وہ مسکرانے لگے۔ انسپکٹر جمشید اٹھے اور پھر انہوں نے ٹھوکر کھائی، بری طرح لڑکھڑائے۔ گرنے سے بڑی مشکل سے بچے۔

"کیا ہوا ابا جان، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں، طبیعت تو خیر ٹھیک ہے، جوتے میں کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور دایاں

پاؤں اٹھا کر دیکھا — انہوں نے دیکھا، اس کا تلا اکھڑ گیا تھا۔

"حیرت ہے، اس کا تلا کیسے اکھڑ گیا۔" وہ بڑبڑائے:

مجھے اسی وقت جوتا خریدنا پڑے گا۔"

"اگر جوتا خریدنا ہے تو مجھے ساتھ لے چلیں۔ میں نے بھی ایک دو دن پہلے ہی نیا جوتا خریدا ہے — یہ دیکھ رہے ہیں آپ، کتنا اچھا ہے۔"

"جی ہاں، ہے تو واقعی اچھا، لیکن آپ تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی خرید لوں گا — ہاں، آپ دکان کا نام ضرور بتا دیں۔"

"ماڈرن شو پیلس — مین روڈ پر ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

اور وہ چاروں باہر نکل آئے۔

"حیرت ہے ابا جان، آپ کا جوتا یکایک کیسے ٹوٹ گیا۔" محمود کے منہ سے نکلا —

"یکایک تو نہیں ٹوٹا ہوگا — ٹوٹنے کا عمل تو پہلے ہی شروع ہو چکا ہوگا، پتا اب چلا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"تو کیا آپ ڈیم جانے سے پہلے جوتا خریدیں گے؟"

"ہاں بھئی، خریدنا ہی ہوگا۔"

"اور ڈیم جانے میں باجوا صاحب ہمارا ساتھ نہیں دیں گے؟"

"وہ ضرور ساتھ دیتے، لیکن ان کی بیوی کی طبیعت خراب ہے۔"

جوتا خریدنے کے بعد وہ ڈیم پر پہنچے — یہ ایک عظیم الشان ڈیم تھا — اس پر ایک بہت بڑا بجلی گھر تعمیر کیا گیا تھا — ابھی وہ دفتر کی لمبی چوڑی عمارت کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ خان رحمان کی چہکتی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی —

"بھئی اگر کیس ختم ہو گیا تھا تو اعلانیہ ہماری پارٹی میں شریک ہو جاتے — چوری چھپے ڈیم کی سیر کرنے کیوں نکل آئے۔"

وہ چونک کر مڑے اور پھر چاروں ہنس پڑے — خان رحمان اور باقی سب لوگ گھاس کے ایک قطعے پر بیٹھے تھے۔ رنگ برنگ کے پھول ان کے چاروں طرف لہلہا رہے تھے — ان سب کے منہ پھولے ہوئے تھے۔

"تم غلط سمجھے خان رحمان۔" انسپکٹر جمشید نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ پروفیسر داؤد بول پڑے:

"یار، اس کی تو عادت ہی یہ ہے، ہمیشہ غلط سمجھ لیتا ہے۔"

"جی ہاں، کیس دراصل ختم نہیں ہوا — ہم اس کیس کی

تفتیش کے سلسلے میں اس ڈیم تک آئے ہیں اور یہاں سے گیس پلانٹ جائیں گے۔"

"تب تو اس بار تمہیں بہت مزیدار کیس ملا ہے۔ سیر کی سیر اور کیس کا کیس۔"

خان رحمان کے جملے پر سب ہنس پڑے اور وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

خطرے کا احساس

ڈیم کے انچارج تک پہنچنے میں انہیں چند منٹ لگ گئے۔ عملہ کافی سرد مہری سے پیش آتا رہا، لیکن جب انہوں نے انچارج کو اپنا کارڈ دکھایا تو انچارج اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور نہایت گرم جوشی سے پیش آنے لگا۔

"میں اس پورے ڈیم کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں، خاص طور پر اس نظریے سے کہ اگر دشمن ملک کا کوئی ایجنٹ ڈیم کو نقصان پہنچانا چاہے تو اس کے کیا امکانات ہو سکتے ہیں اور یہ کہ اس کی کامیابی کے کتنے فیصد امکانات ہیں اور کس کس طرح — کیا آپ مجھے ڈیم دکھانے کے ساتھ یہ معلومات بہم پہنچا سکتے تھے؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں — لیکن اس کے لیے پہلے آپ کو اجازت حاصل کرنا ہو گا اور اجازت کے لیے کمشنر صاحب کے پاس جانا ہو گا۔" اس نے کہا۔

"کیا ہر آدمی کو کمشنر سے اجازت لانا پڑتی ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"سیر کی عام جگہوں کے لیے تو کسی اجازت کی ضرورت نہیں، لیکن آپ جو معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ خاص نوعیت کی ہیں۔ یہ معلومات میں بغیر اجازت کے آپ کو نہیں دے سکتا۔"

"خیر، آپ ذرا یہ اجازت نامہ دیکھ لیں۔ اگر یہ آپ کو ناکافی نظر آئے گا تو پھر میں کمشنر صاحب سے بھی اجازت لے آؤں گا۔" انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

اجازت نامہ دیکھ کر انچارج کی آنکھیں پھیل گئیں اور پھر ان کے ساتھ چل پڑا۔

"ڈیم کی حفاظت کے لیے فوجی پہرے دار مقرر ہیں۔ وہ دن رات پہرہ دیتے ہیں۔ ڈیم کو بم مار کر نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔" اس نے بتایا۔

"کیا ڈیم کی مشینری تک جانے کے لیے کوئی خاص تالا بھی کھولنا پڑتا ہے۔ میرا مطلب ہے، تجوری نما کوئی تالا۔"

"جی ہاں، یہ تو ہے۔ لیکن اس تالے کی چابی میرے پاس نہیں ہوتی۔ ہیڈ آفس میں بحفاظت رکھی ہوئی ہے۔" اس نے کہا اور وہ حیران رہ گئے؛ گویا ان کی تفتیش درست

رخ پر جا رہی تھی۔

انہوں نے اس تالے کا معائنہ کیا۔ اس تالے کو کھولنے کے بعد ڈیم کی مشینری تک پہنچنا آسان تھا، لیکن تالے تک پہنچنے کے لیے پہرے دار فوجیوں کا سامنا کرنا پڑتا؛ گویا رانا نامی قاتل کا منصوبہ اگر یہی تھا تو پہلے اسے فوجیوں سے مقابلہ کرنا پڑتا۔ پھر اس عورت کے شوہر کی مدد سے تالا کھلوانا پڑتا اور اس کے بعد ٹائم بم وہاں چھوڑ کر واپس پلٹ آنا پڑتا۔ سوال صرف یہ تھا کہ وہ فوجیوں سے مقابلہ کس طرح کر سکتا تھا۔ یہ سوال ذہن میں لیے وہ واپس پلٹے۔ واپسی پر انہیں دوسری پارٹی کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اب ان کا رخ گیس پلانٹ کی طرف ہو گیا۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ اس شخص رانا کے کام کرنے کا طریقہ عجیب و غریب ہے۔ ڈوجر اور جیلے سے یہ سنتے ہی کہ میں نے انہیں دیکھ لیا ہے، اس نے ان دونوں کو ختم کر دیا اور خود فرار ہو گیا، پھر اپنے آدمیوں کے ذریعے اس عورت کے خاوند کو اغوا کرایا؛ گویا اس نے پہلے ہی ساری تفصیلات جمع کر رکھی ہیں کہ اگر جیلا یہ کام نہ کر سکے تو ڈوجر اور ڈوجر نہ مل سکے تو اس عورت کا خاوند کہیں گیا نہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی

ہے کہ وہ کافی عرصے سے اس منصوبے پر کام کر رہا ہے۔"
انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"لیکن ہوٹل کہکشاں میں وہ صرف ایک ہفتہ پہلے آکر ٹھہرا ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، اس سے پہلے وہ زبانی منصوبہ بناتا رہا ہوگا۔ عمل کا وقت آیا تو اس نے ہوٹل میں کمرہ لینے کا پروگرام بنایا ہوگا۔ ظاہر ہے، وہ اپنے گھر جیلے اور ڈوجر جیسے آدمیوں سے ملاقاتیں نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ بالکونی کے راستے فرار کے بارے میں اس نے پہلے ہی امکانات کا جائزہ لے لیا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی دوسرا کمرہ بھی کرائے پر لے رکھا ہو اور اب بھی اس کمرے میں مزے سے بیٹھا ہو۔ خیر، گیس پلانٹ سے فارغ ہو کر ہم یہ کام بھی کریں گے۔"

"گویا آپ چھ سو کمروں کے دروازے کھلوائیں گے۔"

"مجبوری ہے، یہ کام کرنا ہی ہوگا۔"

گیس پلانٹ میں بھی انہیں ڈیم والے معاملات سے گزرنا پڑا، لیکن پھر انچارج انہیں سب کچھ دکھانے پر تیار ہو گیا۔ گیس نکلنے کے پورے ایریے کو مختلف دھاتوں سے بنی ایک بہت موٹی چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ انچارج نے بتایا کہ

یہ چادر بم پروف ہے۔ اس چادر کے اوپر مشینری کا ایک کمرہ تھا۔ اس کمرے میں سے ہی ایک بہت بڑے قطر کا پائپ گیس کے ذخیرے سے اوپر آ رہا تھا۔ اس پائپ میں دوسرے کم بڑے پائپ لگائے گئے تھے جو اوپر نکل کر چاروں طرف مڑ گئے تھے اور ان پائپوں میں سے اور چھوٹے پائپ نکالے گئے تھے۔ مشینری والے کمرے کے دروازے پر بھی تجوری نما تالا لگا ہوا تھا۔

"اس کمرے میں داخل ہو کر مشینری کو نقصان پہنچانا کس حد تک ممکن ہے۔"

"مشینری بہت نازک ہے جناب، اور مشینری کا تعلق براہِ راست گیس کے ذخیرے سے ہے۔ اگر مشینری کو نقصان پہنچے گا تو گیس کے ذخیرے کو آگ لگ جائے گی اور گیس کا تمام ذخیرہ ایک قیامت خیز آگ کی صورت میں جلنے لگے گا۔"

"اوہ۔" وہ دھک سے رہ گئے۔ ڈیم کی نسبت گیس پلانٹ کو زیادہ خطرہ تھا۔

"اس کمرے کی حفاظت کا انتظام کیا ہے؟"

"دس فوجی ہر وقت سٹین گنیں لیے چوکس کھڑے رہتے ہیں۔ آپ نے بھی انہیں دیکھا ہوگا۔"

"ہوں، پلانٹ دیکھنے کے لیے بہت سے لوگ آتے ہوں گے۔"

"جی ہاں، لیکن انہیں کمشنر صاحب سے تحریری اجازت لانا پڑتی ہے۔"

"کیا آپ کا عملہ سیر کے لیے آنے والوں کا ریکارڈ رکھتا ہے؟"

"جی ہاں، تمام اجازت نامے سیر کرنے والوں سے لے لیے جاتے ہیں — ان کا اندراج رجسٹر میں بھی کیا جاتا ہے۔"

"میں اس رجسٹر کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کیجیے۔"

"اور میں ایک فون بھی کروں گا — کیونکہ ڈیم کی سیر کرنے والوں کا رجسٹر نہیں دیکھ سکا۔"

"فون بھی کیجیے — وہ رجسٹر یہیں پہنچ جائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ رجسٹر پر لکھے نام بغور پڑھ رہے تھے۔ ابھی فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ڈیم والا رجسٹر بھی وہاں پہنچ گیا — لیکن دونوں رجسٹروں میں رانا نامی کسی آدمی کا نام درج نہیں تھا — خدا جانے اس شخص نے کس نام سے دونوں جگہیں دیکھی تھیں — دیکھی بھی تھیں یا نہیں۔ آخر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مشینری والے کمرے کی چابی کس کے پاس ہوتی ہے؟"

"ہیڈ آفس، دارالحکومت میں۔"

"ہوں، اچھا جناب بہت بہت شکریہ۔"

وہاں سے واپسی پر انسپکٹر جمشید بہت خاموش تھے — آخر محمود خاموش نہ رہ سکا۔

"خیر تو ہے ابا جان، آپ بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔"

"ڈیم یا گیس پلانٹ کو اڑانا بالکل بھی مشکل نہیں۔"

"جی، وہ کیسے؟" تینوں حیران رہ گئے۔

"فوجی جو پہرہ دیتے ہیں، ان کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا کہ اندر ٹائم بم رکھ دیا گیا ہے۔"

"لیکن کیسے؟" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اگر ڈیم یا گیس پلانٹ کا انچارج اس شخص رانا نامی سے مل جائے تو تم ہی بتاؤ، کیا مشکل رہ جاتی ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

وہ دھک سے رہ گئے۔

⊙

چند سیکنڈ تک خاموشی طاری رہی، پھر فرزانہ کی آواز ابھری:

"نہ جانے مجھے کیوں یقین ہوتا جا رہا ہے کہ اس عورت

کے خاوند کو رانا نے ہی اغوا کرایا ہے۔"

"ابا جان، میں ایک اور بات سوچ رہا ہوں — رانا اگر دونوں میں سے کسی انچارج کو ساتھ شامل نہیں کرتا، تب بھی اس کے لیے یہ کام مشکل ثابت نہیں ہوگا؛ جبکہ اس کے کچھ ساتھی بھی یہاں موجود ہیں — انہیں کرنا تو صرف یہی ہوگا کہ رات کے وقت پہرے پر موجود تمام فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں — اس کے بعد ان کا راستہ روکنے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔" محمود نے جلدی جلدی کہا — فرزانہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگی، کیونکہ اس نے اس کی بات کو زیرِ بحث نہیں آنے دیا تھا۔

"دونوں ہی صورتیں ممکن ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ اگر تم سیر کا پروگرام نہ بناتے تو کیا ہوتا۔"

"ہوتا کیا تھا، ڈوجر اور جیلا رانا کے ساتھ یہاں آکر اپنا کام دکھا جاتے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"یہ خطرہ تو اب بھی موجود ہے۔"

"ہاں، لیکن اب ہم ان کے ارادوں کو بھانپ چکے ہیں — دراصل غلطی جیلے سے ہوئی تھی، اگر اس نے مجھے دیکھ لیا تھا تو انجان بنا بیٹھا رہتا — میں زیادہ سے زیادہ ڈوجر کو گرفتار کراتا — اس کے بعد وہ رانا کے ساتھ مل کر خاموشی سے

منصوبے پر عمل کر سکتا تھا، لیکن تم اسے ملک کی خوش قسمتی کہہ لو یا ان کی بدقسمتی کہ ہم یہاں پہنچ گئے اور پہنچے بھی عین اسی روز جس روز جیلے نے ڈوجر کو یہاں بلایا تھا۔"

"ابا جان، میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس عورت کے خاوند کو رانا نے ہی اغوا کرایا ہے۔"

"اور ہم یہ بات سن چکے ہیں — میرا خیال ہے، یہ بات اتنی اہم نہیں۔ اس وقت تو اہم ترین بات یہ ہے کہ رانا کہاں ہے اور وہ دونوں تنصیبات میں سے کون سی چیز پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم بلا وجہ اتنی دور کی سوچ رہے ہوں اور بات صرف کسی سیٹھ کی تجوری لوٹنے کی ہو۔" فرزانہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"اتنی بات کے لیے دو دو قتل اور ایک عدد اغوا کی وارداتیں عجیب ترین لگتی ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تمہیں لگتی ہوں گی — مجھے نہیں — کیونکہ بعض اوقات تجوریوں میں بھی انتہائی قیمتی کاغذات ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ملکی راز ہوتے ہیں۔"

"یہ بات تو واقعی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پرزور لہجے میں کہا۔

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فرزانہ کی بات بھی درست ہو سکتی ہے۔"

"ہاں، کیوں نہیں۔"

"دھت تیرے کی — اب ہم کریں تو کیا کریں۔ اس رانا کے بچے کو کہاں ڈھونڈیں۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"ہوٹل میں۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں، اب ہم یہی کام کریں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا — ہوٹل میں تلاشی کی خبر آناً فاناً پھیل جائے گی — ہر آدمی کو ہم روکے رکھ نہیں سکتے، لہٰذا اس طرح کیا پتا چلے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو کیا آپ نے ارادہ بدل دیا ہے۔"

"سوچ رہا ہوں، کیونکہ چھ سو کمروں کی تلاشی لینا بہت کٹھن معاملہ ہے۔"

"تو پھر جانے دیں — ہم کسی اور ذریعے سے کوشش کر سکتے ہیں۔"

"اس عورت کے خاوند کو اغوا کر کے ہوٹل میں تو لایا نہیں جا سکتا — لہٰذا اسے ہی اس کے پاس جانا پڑے گا۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ اب وہ ہوٹل میں نہیں ملے گا۔"

"پھر تو تلاشی میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے — اس وقت تک ہمیں اس وادی کے لیے دو مقام پر ہی خطرہ نظر آیا ہے — کیوں نہ ہم رات کو ان دونوں مقامات پر پہرہ دیں۔" محمود بولا۔

"یہ تو خیر کرنا ہی ہو گا — اب سوال یہ ہے کہ ہم دو حصوں میں تقسیم کس طرح ہوں — میں دونوں جگہوں پر رہنا چاہتا ہوں۔"

"جی کیا فرمایا، دونوں جگہوں پر رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ دونوں جگہوں کا درمیانی فاصلہ تو کافی ہے۔"

"ہاں، یہی تو الجھن ہے — اب اگر میں تم میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ رکھ کر ان میں سے ایک جگہ پر موجود رہوں اور باقی دو کو دوسری جگہ بھیج دوں تو یہ بھی مناسب نہیں — اگر میں تنہا ایک جگہ رہوں اور تم تینوں کو دوسری جگہ بھیجوں تو یہ بھی مناسب نہیں رہے گا، کیوں کہ معاملہ اتنا معمولی نہیں ہے — خیر ہم چاروں بیک وقت دونوں جگہ موجود رہیں گے۔"

"جی کیا فرمایا، ہم چاروں ایک ہی وقت میں دونوں جگہ موجود رہیں گے۔"

"ہاں" یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔

"لیکن کیسے — یہ کس طرح ممکن ہے" فاروق نے بوکھلا کر کہا —

"ہوٹل پہنچ کر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس طرح ممکن ہے" ان کا انداز حد درجے پراسرار تھا۔

ہوٹل پہنچے تو غیر جاسوس پارٹی واپس آ چکی تھی اور کمرہ نمبر ۵۱۰ میں تھی؛ چنانچہ وہ کمرہ نمبر ۵۱۱ میں داخل ہو گئے — انسپکٹر جمشید نے فون کا ریسیور اٹھایا اور کسی کے نمبر گھمائے — پھر سلسلہ ملنے پر انہوں نے کہا۔

"ہیلو باجوا صاحب، کہیے بھابی کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہی ہے"

"اس عورت کے خاوند کا کوئی پتا چلا"

"ابھی نہیں، ارشد کوشش کر رہا ہے"

"جوں ہی اس کا خاوند ملے، مجھے اطلاع دے دیجیے گا"

"بہت اچھا — اور سنائیے، آپ نے ڈیم اور گیس پلانٹ کا جائزہ لے لیا؟"

"ہاں، لے چکا ہوں اور ان دونوں جگہوں کے لیے فکرمند ہوں"

"جو آپ کہیں، انتظام کر دیا جائے"

"ہاں، اس سلسلے میں میں پھر بات کروں گا — اچھا خدا حافظ" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور بولے:

"آؤ بھئی، ذرا غیر جاسوس پارٹی سے مل آئیں"

"وہ ہم سے بات کرنا بھی پسند نہیں کریں گے" فاروق نے کہا —

"تم آؤ تو سہی"

انہوں نے کمرہ نمبر ۵۱۰ کے دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور خان رحمان کی صورت دکھائی دی —

"ارے، یہ تم ہو جمشید، لیکن ہمارا تم سے کیا واسطہ۔ جاؤ جاؤ جاسوسی کرو"

"یار، تم بات تو سنو"

"میں کوئی بات نہیں سنوں گا، بلکہ ہم میں سے کوئی شخص بھی بات نہیں سنے گا۔ ہمیں لاتے ہو سیر اور تفریح کے لیے اور خود شروع کر دیتے ہو جاسوسی" انہوں نے تنک کر کہا —

"کیا تم ملک اور قوم کے نام پر بھی میری بات نہیں سنو گے" انسپکٹر جمشید شریر انداز میں مسکرائے —

"ملک اور قوم کے نام پر تو جان بھی حاضر ہے" وہ بولے۔

"تو پھر تم حامد، سرور اور ناز کو لے کر ذرا کمرہ نمبر ۵۱۱

میں آجاؤ۔"

"میرے ساتھ ان تینوں کی کیا ضرورت؟"

"ملک اور قوم کو اس مرتبہ ان کی بھی ضرورت ہے۔" انہوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ آؤ بھئی، حامد، سرور اور ناز۔"

"یہ ایک ہی رہی — خود تو جاسوسی شروع کی تھی، اب ہماری پارٹی کے ممبروں کو بھی شامل کرنے لگے۔" بیگم جمشید نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بھئی جمشید، یہ تو زیادتی ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"کیا کیا جائے پروفیسر صاحب، معاملہ بہت نازک ہے۔" انسپکٹر جمشید بے چارگی کے عالم میں بولے۔

"میں حیران ہوں، یہ تمام نازک معاملے تمہیں ہی کیوں مل جاتے ہیں۔" پروفیسر بولے۔

"اس پر تو میں خود بھی حیران ہوں — مجھے افسوس ہے، میں آپ کی پارٹی کے چار ممبر ادھار لیے جا رہا ہوں۔"

"کیا کہا، ادھار لیے جا رہے ہو۔" خان رحمان نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں، صبح تک تمہیں واپس کر دوں گا۔" وہ بھی ہنس پڑے —

دوسرے ہی لمحے وہ کمرہ نمبر ۵۱۱ میں بیٹھے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی پوری صورت حال خان رحمان کو سنائی۔ وہ سن کر پریشان ہو گئے۔

"یہ تو واقعی خطرناک معاملہ ہے۔"

"ہاں، زیادہ فکر مجھے اس بات کا ہے کہ کہیں دشمن ملک کی طرف سے چھاپا مار نہ ادھر اتر آئیں اور ان فوجیوں کا صفایا نہ کر دیں جو ان دونوں جگہوں پر مقرر ہیں۔ ان کی تعداد بھی بہت تھوڑی ہے — یہ وادی تم جانتے ہی ہو، سرحدی وادی ہے۔"

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں یہاں کے ملٹری آفیسر سے ملنے جا رہا ہوں۔ ساری صورت حال اسے بتاؤں گا — اب یہ اس کا کام ہے کہ چھاپہ ماروں کے اترنے کی صورت میں ان کا مقابلہ کرے اور انہیں گیس پلانٹ یا ڈیم کی طرف جانے سے روکے۔"

"حملہ ان دونوں میں سے کس پر ہونے کا امکان ہے؟"

"یہ نہیں کہا جا سکتا — شاید ایک پر حملہ ہو — یہ بھی ہو سکتا ہے کہ توجہ ہٹانے کے لیے حملہ ایک پر ہو اور اصل کام دوسری طرف کیا جائے۔"

"اوہ جمشید، تم تو مجھے ڈرائے دے رہے ہو۔"

"کیا کروں، میں خود ڈرا ہوا ہوں۔"

"یہ بات ہم زندگی میں پہلی مرتبہ سن رہے ہیں کہ آپ ڈرے ہوئے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ معاملہ بہت نازک ہے۔ فوری طور پر یہاں کافی تعداد میں فوج شاید ہی منگوائی جا سکے۔ یہ تو فوج کے آفیسر سے بات کرنے پر معلوم ہو گا۔"

"تو پھر اس سے پہلے ہی کیوں نہ مل لیا جائے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں، میں یہی سوچ رہا ہوں، لیکن اس سے پہلے تم میرا ایک پروگرام بھی سن لو۔ میں تمہیں انسپکٹر جمشید اور ان تینوں کو محمود، فاروق اور فرزانہ کے میک اپ میں ڈیم کے کمرے کے دروازے پر چھوڑنا چاہتا ہوں۔ میں اور یہ تینوں گیس پلانٹ میں رہیں گے۔ اس منصوبے کا انچارج جس کا نام رانا بتایا جاتا ہے۔ مجھے اچھی طرح جانتا ہے اور مجھ سے خوف زدہ بھی ہے۔ میرے خوف نے ہی اسے ڈوجر اور جیلے کو ہلاک کرنے پر مجبور کیا ہے، لہٰذا اگر تم میرے میک اپ میں وہاں موجود ہو گے اور وہ اپنے منصوبے پر عمل کرنے ادھر آیا تو تمہیں دیکھ کر اوسان کھو بیٹھے گا۔ اب تم بھی آخر ریٹائرڈ فوجی ہو۔ لہٰذا کچھ کام تو دکھاؤ

گے ہی۔ دوسرے یہ کہ میں وائرلیس پر برابر تم سے رابطہ قائم رکھوں گا۔ وائرلیس سیٹوں کا بندوبست ملٹری آفیسر کرے گا۔"

"ٹھیک ہے، ملک اور قوم کے لیے ہم سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"لیکن باقی لوگوں کو اس مہم کی ہوا تک بھی نہیں لگنی چاہیے۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا۔

"تو پھر تم چاروں یہیں ٹھہرو۔ میں اور یہ تینوں ملٹری آفیسر سے مل کر آتے ہیں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" انہوں نے فکرمند ہو کر کہا۔

"ان سب باتوں کے علاوہ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اس مرتبہ ہم سایوں کے پیچھے تو نہیں بھاگ رہے۔ بات دراصل کچھ بھی نہ ہو اور ہم نے اسے ہوّا بنا لیا ہو اور رانا صرف کسی سیٹھ کی تجوری سے کوئی قیمتی چیز اڑانے کے چکر میں ہو۔" فاروق نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر ایسا ہوا تو اور بھی اچھا ہو گا۔ میں سکھ کا سانس لوں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ باہر نکل آئے اور ایک ٹیکسی میں فوجی کیمپ کی طرف

روانہ ہو گئے ۔ ان سب کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔
وہ ایک انجانا خطرہ محسوس کر رہے تھے اور خطرے کا
احساس ہر لمحے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

عجیب جواب

ملٹری آفیسر کا نام سرور جہانگیر تھا ۔ اس نے ان کا کارڈ
دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور پوری تفصیل سن کر تو
اس کی آنکھیں پھیل ہی گئیں ۔ آخر انسپکٹر جمشید نے پوچھا:
"آپ کے پاس یہاں اس وقت کتنے آدمی ہیں؟"
"تقریباً پانچ سو۔"
"آپ ان میں سے کتنے فارغ کر سکتے ہیں؟"
"سرحدی پہاڑ پر چار سو فوجی ہر وقت موجود رہتے ہیں۔
انہیں کسی صورت نہیں ہٹایا جا سکتا۔" اس نے بتایا۔
"گویا سو سپاہی آپ کے پاس فارغ ہوں گے۔"
"ہاں، یہی سمجھ لیں۔"
"تو میں چاہتا ہوں، آج رات پچاس آدمی گیس پلانٹ
کے گرد اور پچاس ڈیم کی عمارت کے گرد مقرر کر دیے جائیں۔"
"اس کے لیے مجھے اجازت لینا پڑے گی۔ میں اوپر کے

آرڈر کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ آپ ایسا کر سکتے ہیں۔"

"جی کیا مطلب؟"

"یہ دیکھیے۔" انہوں نے اپنا خصوصی اجازت نامہ نکال کر اسے دکھایا اور بولے:

"اس اجازت نامے کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی سے کوئی اجازت لینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے، لیکن اگر اجازت لے لی جائے تو کیا حرج ہے۔ میں ابھی وائرلیس پر بات کر سکتا ہوں۔"

"جی نہیں، میں معاملے کو سو فی صد راز میں رکھنا چاہتا ہوں۔ یہاں تک کہ وادی جبروت کا ایس پی میرا بچپن کا دوست ہے، لیکن میں یہ سارا معاملہ اس کے علم میں بھی نہیں لاؤں گا۔ کیونکہ غیر ملکی جاسوس اس کے آدمیوں میں بھی کوئی ہو سکتا ہے۔"

"یہ شک آپ نے مجھ پر کیوں نہیں کیا؟"

"آپ کو بھی شک سے بری نہیں سمجھا۔ میری نظریں آپ پر بھی رہیں گی، لیکن آپ سے مدد لینا بہت بڑی مجبوری تھی، کیونکہ میں نہیں جانتا، اس منصوبے میں مخالف فریق کتنے

آدمی استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

"بہت خوب، مجھے آپ کی یہ بات پسند آئی۔ آپ بے فکر رہیں، یہ بندوبست ہو جائے گا۔ گیس پلانٹ کی نگرانی کرنے والے پچاس سپاہیوں کے ساتھ میں خود ہوں گا۔ ڈیم کی طرف میرا نائب ہو گا۔"

"ٹھیک ہے، اس کے علاوہ ان چار سو کو بھی چوکس رہنے کی ہدایات دے دیں۔ بس گول مول الفاظ میں انہیں بتا دیں کہ آج رات خطرہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ بھی بتا دوں کہ یہ کام ضروری نہیں، آج رات ہی ختم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے، دشمن خبردار ہو جائے اور آج اپنے پروگرام پر عمل نہ کرے۔ وہ کل یا ایک ہفتہ ٹھہر کر بھی اس پروگرام پر عمل کر سکتا ہے۔"

"پروا نہیں، ہم ان حالات کے عادی ہیں۔" اس نے کہا۔

"اور آپ کو مجھے دو وائرلیس سیٹ بھی دینے ہوں گے۔ میں اور میرے ساتھی آپس میں ان پر رابطہ قائم رکھیں گے۔"

"سیٹ میں ابھی دیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ

کھڑا ہوا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس لوٹ رہے تھے اور اب قدرے اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ ہوٹل پہنچ کر وہ خان رحمان، حامد، سرور اور ناز کے میک اپ میں مصروف ہو گئے۔ اس طرح کہ دوسرے کمرے والوں کو کچھ بھی پتا نہیں تھا کہ ساتھ والے کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔

○

پروگرام کے مطابق وہ ڈیم اور گیس پلانٹ جانے کے لیے تیار ہوئے ہی تھے کہ باجوا صاحب کا فون آ گیا۔

"ہیلو جمشید صاحب، آپ نے بتایا نہیں پھر — کیا پروگرام بنا؟"

"پروگرام، جی ہاں میں آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔ ہم رات کے وقت ڈیم اور گیس پلانٹ پر موجود رہیں گے۔ آپ بھی زیادہ سے زیادہ کانسٹیبل لے کر ان دونوں جگہوں کے آس پاس موجود رہیے — اگر میری طرف سے اشارا ملے۔ تو فوراً مدد کو آئیے۔ میں ٹارچ سے اشارا دوں گا — لیکن خیال رہے، کہیں آپ کے کانسٹیبل فوجیوں سے نہ بھڑ جائیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ایسا نہیں ہو گا، مجھے معلوم ہے کہ دونوں جگہوں پر ملٹری کا پہرہ رہتا ہے۔"

"بس پھر آج رات کا پروگرام تو یہی ہے۔ ہاں اس عورت کا شوہر ملا یا نہیں۔"

"ابھی تک نہیں، میں اس وقت گھر میں ہوں۔ ارشد مجھے یہیں رپورٹ دے رہا ہے۔"

"شکریہ۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ گیس پلانٹ کے بم پروف کمرے تک پہنچ چکے تھے، جبکہ خان رحمان، حامد، سرور اور ناز ان چاروں کے میک اپ میں ڈیم کا رخ کر چکے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے پہرے پر موجود دس فوجیوں کو اپنے پروگرام کے بارے میں بتایا۔ اور یہ بھی کہ ان کے آفیسر پچاس آدمی اور روانہ کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کانسٹیبل بھی آس پاس ہی موجود ہوں گے۔ ان کے ساتھ ایس پی باجوا صاحب بھی ہوں گے — ضرورت پڑنے پر انہیں بھی مدد کے لیے بلایا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد وہ کمرے کے دروازے پر آئے۔ دروازہ بند تھا — تجوری نما تالے کے سوراخ صاف نظر آ رہے تھے۔

انہوں نے ہینڈل پکڑ کر کھینچا، مگر دروازہ ہلا تک نہیں۔

"میرے پاس پستول موجود ہے، لیکن میں تم تینوں کے لیے بھی پستول کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔ یہ ایک ایک پستول لے لو۔"

انہوں نے چھوٹے سائز کے تین پستول انہیں دے دیے۔

"ان میں گولیاں بھری ہوئی ہیں۔" وہ بولے۔

"ابا جان، کیا آپ کو یقین ہے کہ رانا ان حالات میں بھی اپنے منصوبے پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جب اسے یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ آپ اس طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"بھلا اسے یہ بات کس طرح معلوم ہو سکتی ہے، جب کہ میں نے مکمل راز داری رکھی ہے۔"

"کیا ملٹری آفیسر یا اس کا کوئی ماتحت رانا سے ساز باز نہیں کر سکتا۔"

"کر سکتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم حفاظتی تدابیر سے ہاتھ اٹھا لیں اور آرام سے سو جائیں۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ آج اپنے منصوبے پر عمل نہ کرے، لیکن چند دن تک کرے۔ کیا ہم مسلسل یہاں ڈیوٹی دیتے رہیں گے۔"

"ہاں، ہم یہی کریں گے۔ ہم پورے ملک کو اگر ایک خطرے سے بچا لیں اور اس سلسلے میں چند راتیں جاگنا پڑ جائیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے۔" انہوں نے کہا۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے ابا جان۔" محمود بولا۔

"کیا آپ اب تک یہ اندازہ نہیں لگا سکے کہ رانا دراصل کون ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں، اور میں بہت حیران ہوں۔" وہ بولے۔

"وہ آپ سے اچھی طرح واقف ہے تو پھر آپ بھی اس سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔"

"بالکل واقف ہوں گا۔ وہ مجھ سے بلا وجہ تو خوفزدہ نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اگر اس ہوٹل کا مالک حوالات نہ بھجوا دیا جاتا تو ہم یہ سوچتے کہ رانا ضرور وہی ہے، لیکن اب اس کے رانا ہونے کے بارے میں کس طرح سوچا جا سکتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"سوچنے میں کیا خرچ ہوتا ہے۔ تم کچھ بھی سوچ سکتے ہو۔" فاروق منمنایا۔

"میرا خیال ہے، یہ ہماری زندگی کا پہلا کیس ہے جس میں اتنے واقعات گزر جانے پر بھی ابھی تک ہم مجرم کی شخصیت

سے بے خبر ہیں، نہ صرف ہم تینوں بلکہ آپ بھی۔" فرزانہ نے اپنے والد سے کہا۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"شاید۔" فرزانہ چونکی: "شاید کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو مجرم کے بارے میں کچھ اندازہ ضرور ہے۔"

"مطلب در مطلب پیدا کر رہی ہو آج تو۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"بھئی فرزانہ بات یہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے فاروق کے جملے کی طرف توجہ دیے بغیر کہا: "میں حالات اور واقعات کے دھارے میں بہہ نہیں جاتا — ایک ایک چیز کو غور سے دیکھتا ہوں — ہر چیز پر خوب غور کرتا ہوں اور پھر یہ سوچتا ہوں کہ آخر فلاں چیز کا سبب کیا ہے۔ وہ اس طرح کیوں ہے، اس طرح کیوں نہیں وغیرہ — تم تینوں میں بھی یہ عادت موجود ہے اور اس عادت میں روز بروز پختگی آتی جا رہی ہے، لیکن ابھی تم اس حد تک ترقی نہیں کر سکتے، جہاں تک میں پہنچ چکا ہوں — بعض چیزیں تم نوٹ کرنے سے چوک بھی جاتے ہو۔"

"تو کیا اس کیس میں بھی ہم کوئی بات نوٹ کرنے

سے چوک گئے ہیں۔"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اس بات کا ثبوت میرے پاس بھی نہیں کہ وہ بات واقعی کوئی اہمیت رکھتی ہے یا نہیں — خیر تم فکر نہ کرو اور ذرا آنکھیں کھلی رکھو، ہم کسی وقت بھی خطرے میں گھر سکتے ہیں۔"

"ان ساٹھ فوجیوں اور کانسٹیبلوں کے ہوتے ہوئے بھی۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا معلوم، دشمن کس رخ سے وار کرے۔" وہ بولے۔

پھر انہوں نے وائرلیس پر خان رحمان کو مخاطب کیا۔

"ہیلو خان رحمان، کیا خبر ہے؟"

"ہر طرف امن چین ہے اور ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اس بار تمہیں وہم ہو گیا ہے۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

"اس خیال کو فوراً اپنے سے دور کر دو، کیونکہ اگر یہ خیال تمہارے ذہنوں میں گھر کر گیا تو تم غیر محتاط ہو جاؤ گے، جب کہ میں چاہتا ہوں کہ تم اس طرح چوکس رہو، جس طرح دوران جنگ اپنے مورچے میں رہا کرتے ہو گے۔"

"اچھا بھائی، تم فکر نہ کرو۔"

"تم فوجیوں سے ملاقات کر چکے ہو۔"

"ہاں، میں نے تمہارے لہجے میں بات کرنے کی پوری

کوشش کی ہے اور انہیں ذرا بھی شک نہیں ہوا۔"

"چلو شکر ہے — ہاں ڈیم کا انچارج اگر تمہاری طرف آتا نظر آئے تو مجھے فوراً اطلاع دینا، کیونکہ ملٹری کے جوان اسے آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتے۔ وہ اسی کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، تو کیا تمہیں اس پر شبہ ہے؟" انہوں نے حیرت بھری آواز میں پوچھا۔

"سبھی کچھ ہو سکتا ہے — دوسرے یہ کہ پچاس فوجی بھی آس پاس پوزیشن سنبھال چکے ہیں — وقت پڑنے پر وہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔"

"یہ اور اچھی بات ہے۔" وہ بولے۔

"اور نمبر تین یہ کہ باجوا صاحب بھی اپنے کانسٹیبلوں کے ساتھ آس پاس موجود ہیں اور ضرورت پڑتے ہی میدان میں کود پڑیں گے۔"

"بھئی واہ، انتظامات تو تم نے خوب کیے ہیں۔"

"اور ان انتظامات کے باوجود میں پرسکون نہیں ہوں۔ میرا دل دھڑک رہا ہے، کیونکہ میں نہیں جانتا، دشمن کا منصوبہ کیا ہے۔"

"یہ عجیب بات ہے کہ تم اب تک یہ اندازہ نہیں لگا سکے۔"

میں نے اگر یہ اندازہ لگا گیا کہ ڈیم یا گیس پلانٹ کو خطرہ ہے تو یہ بھی بڑی بات ہے — میرے علاوہ باقی سب تو ابھی تک یہ خیال کر رہے ہیں کہ مجھے ضرور وہم ہو گیا ہے اور ان دونوں تنصیبات کو سرے سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"خیر بھئی دیکھتے ہیں، کیا ہوتا ہے۔ ہم تو بہرحال تمہارے اشارے پر سر سے کفن باندھ کر آ گئے ہیں۔"

"ایک فوجی کی یہی تو شان ہے — جب بھی وطن اسے بلاتا ہے۔ وہ اپنی جان قربان کرنے کے لیے پہنچ جاتا ہے۔ اچھا اب گفت گو بند — اور آنکھیں کھلی رکھو۔" یہ کہہ کر انہوں نے سلسلہ بند کر دیا —

وقت چیونٹی کی رفتار سے گزرتا رہا — ایک ایک منٹ ان پر بھاری تھا اور پھر جیسے تیسے رات کٹ گئی۔ صبح کا اجالا پھیلنے لگا۔ وہ رات بھر جاگنے کی وجہ سے تھک کر چور ہو چکے تھے — ملٹری کے جوانوں نے اور باقی سب نے جب سوالیہ نظروں سے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا تو انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"دشمن کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہم چوکس ہو گئے ہیں۔ اس لیے اس نے وار نہیں کیا — لیکن آج یا کل وہ حملہ ضرور کرے گا۔ وہ بے خبری میں ہمیں آ لینا چاہتا ہے۔ اس وقت

جب ہم اس کی آمد سے بالکل مایوس ہو چکے ہوں — اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم مایوس ہوتے ہیں یا نہیں — یہ ہمارے اور اس کے صبر کا امتحان بھی ہے — ہم آج رات پھر اس جگہ موجود ہوں گے۔"

یہ الفاظ خان رحمان نے بھی وائرلیس پر سنے اور انہوں نے بھی اپنے ساتھیوں کے سامنے دہرا دیے — دوسری رات یہ لوگ پھر اسی طرح اپنی اپنی ڈیوٹی پر موجود تھے اور پھر اس طرح پانچ راتیں گزر گئیں — فوجی بالکل مایوس ہو گئے۔ خان رحمان، حامد، سرور اور ناز اس بور ترین ڈیوٹی سے گھبرا گئے — محمود، فاروق اور فرزانہ بھی تھکے تھکے نظر آنے لگے، اگر کوئی تازہ دم تھا تو انسپکٹر جمشید — ان کا اب بھی یہی خیال تھا کہ حملہ ہو گا۔ اس دوران وہ باجوا صاحب سے اس عورت کے خاوند کے بارے میں بھی معلوم کرتے رہے تھے، لیکن وہ ابھی تک نہیں ملا تھا — انہیں دوپہر کو کئی گھنٹے کی نیند بھی لینا پڑتی تھی، تاکہ رات کی کسر پوری ہو سکے — اس لیے وہ اس عورت کے خاوند کی تلاش کے سلسلے میں بھی کچھ نہ کر سکے۔ انہیں اس کا بہت افسوس تھا، کیونکہ انہوں نے عورت سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے دن ہی اس کے خاوند کو تلاش کر دیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوا تھا — ڈیم اور گیس پلانٹ کی ڈیوٹی نے انہیں کہیں کا نہیں

چھوڑا تھا۔ اس دوران ملٹری آفیسر بھی تین چار مرتبہ انسپکٹر جمشید سے ملاقات کر چکا تھا — وہ بھی بہت جھنجلایا ہوا تھا۔ اب اسے بھی یقین ہو چلا تھا کہ انہیں وہم ہو گیا ہے۔ ڈیم اور گیس پلانٹ کو کوئی خطرہ نہیں ہے — آخر چھٹے دن انسپکٹر جمشید نے نگرانی ختم کرنے کا حکم دیا — ملٹری آفیسر سے بہت ہی معذرت کی — باجوا صاحب سے بھی معذرت کی — ان سب نے گویا اطمینان کا سانس لیا۔

"زندگی میں شاید پہلی مرتبہ آپ کا اندازہ غلط ثابت ہوا ہے ابا جان۔" فرزانہ بہت غمگین تھی —

"ہاں بھئی، ایسا بھی ہوتا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"باجوا صاحب بھی کیا سوچتے ہوں گے۔" محمود بولا۔

"اور وہ ملٹری آفیسر بے چارہ۔" فاروق بولا۔

"بھئی، اب کیا کیا جا سکتا ہے۔" وہ بے چارگی کے انداز میں مسکرائے۔

"غیر جاسوس پارٹی اچھی رہی — خوب سیر و تفریح کرتی پھر رہی ہے۔" فاروق کی آواز میں حسرت تھی۔

"بھئی، کل سے تم سیر اور تفریح شروع کر دو۔ ابھی تو کئی چھٹیاں باقی ہیں — آئی جی صاحب نے دس دن کی چھٹی منظور کی تھی۔ اس میں اضافہ بھی کرایا جا سکتا ہے۔" انہوں نے کہا۔

شکریہ ابا جان، یہ ہوئی نا بات، اب ہم ساری بوریت دور کریں گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن اس کیس کا کیا بنے گا۔ رانا نے اپنے منصوبے پر بے شک عمل نہیں کیا۔ وہ آپ کے خوف سے ایسا نہیں کر سکا، لیکن وہ قاتل بھی تو ہے۔ اسے گرفتار بھی تو کرنا چاہیے۔"

"اسے گرفتار کرنا باجوا صاحب کا کام ہے۔ یہ ان کے علاقے کا کیس ہے۔ ہم یہاں تفریح کرنے آئے تھے، سو اب تفریح ہی کریں گے۔ صبح ہم غیر جاسوس پارٹی سے صلح کر لیں گے۔ ان سے معافی مانگ لیں گے۔"

"لیکن ابا جان، اس میں معافی مانگنے والی کون سی بات ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"بھئی کیا تم نے ان سب سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ اس مرتبہ کسی چکر میں نہیں الجھیں گے۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ جی ہاں، یہ تو ہے۔ خیر ہم معافی مانگ لیں گے۔ لیکن آج ہی کیوں نہ ایسا کریں۔" فاروق نے کہا۔

"اس وقت تو وہ سب سیر کے لیے گئے ہوئے ہیں، ادھر ہم بہت تھکے ہوئے ہیں۔ جب وہ واپس آئیں گے تو ہم سو رہے ہوں گے۔"

"ہوں، چلیے خیر یونہی سہی۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ بے سدھ سو رہے تھے کہ کسی نے انہیں جھنجوڑ کر جگا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔ انہیں جگانے والے انسپکٹر جمشید ہی تھے۔ گھڑیوں پر نظر گئی تو ابھی رات کے صرف دس بجے تھے۔

"خیر تو ہے ابا جان، آپ نے ہمیں اس وقت کیوں جگا دیا۔"

"اس لیے کہ خان رحمان، حامد، سرور اور ناز بھی جاگ رہے ہیں۔" انہوں نے عجیب جواب دیا۔

"جی کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"ہر بات کا مطلب نہ پوچھنے بیٹھ جایا کرو۔"

"لیکن ابا جان، فرزانہ تو کھڑی ہے۔" فاروق بولا۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"کیا رات کے وقت سیر کے لیے جانا ہے؟"

"نہیں، ہمیں گیس پلانٹ اور ڈیم کی طرف جانا ہے۔"

"جی کیا مطلب؟" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"پھر وہی، کیا مطلب۔ چلو نکلو۔"

"لیکن آپ تو کہہ رہے تھے....." فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں، میں ٹھیک کہہ رہا تھا، لیکن اب میرا پروگرام بدل گیا ہے۔ ہم کم از کم ایک رات اور وہاں ڈیوٹی دیں گے۔"

"لیکن ابا جان، آج تو نہ ملٹری وہاں ہے نہ پولیس۔"

"اسی لیے تو میں آج وہاں موجود رہنا چاہتا ہوں۔ میں جان گیا تھا کہ دشمن اس وقت تک اپنے منصوبے پر عمل نہیں کرے گا، جب تک ہم چوکس ہیں۔ اس نے سوچ لیا ہے کہ انسپکٹر جمشید آخر کب تک وادی میں رہے گا۔ جلد یا بدیر اسے واپس دارالحکومت تو جانا ہی پڑے گا، لیکن ہمارے وہاں سے ہٹ جانے کی صورت میں شاید وہ حماقت کر بیٹھے۔"

"تو آپ نے جان بوجھ کر نگرانی ختم کی ہے؟"

"ہاں۔" انہوں نے کہا اور پھر وہ انہیں ساتھ لیے کمرے سے باہر نکل آئے۔

فاروق کا وعدہ

آج انہوں نے ڈیم اور گیس پلانٹ کی طرف پیدل ہی سفر کیا تھا۔ وہ بھی سڑک سے دور رہ کر نہایت خاموشی سے اور گیس پلانٹ اور ڈیم پر پہنچ کر انہوں نے دروازوں کے سامنے ڈیرا بھی نہیں جمایا، بلکہ کچھ فاصلے پر جھاڑیوں کی اوٹ میں اس طرح چھپ گئے تھے کہ مشکل ہی نظر آ سکتے تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ یہ سوچ رہے تھے کہ وہ چار چار آدمی کیا کر سکیں گے۔ دوسری طرف خان رحمان، حامد، سرور اور ناز بھی یہی کچھ کر چکے تھے۔

اس طرح رات کا ایک بج گیا۔ مایوسی ایک بار پھر ان کے دلوں پر دستک دینے لگی۔ لیکن پھر اچانک محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس کیے۔ تقریباً دس آدمی درختوں کی اوٹ لیتے آگے بڑھ رہے تھے۔ سب سے آگے جو شخص تھا، وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

میں تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ سوراخ تھے۔ اس سے پیچھے دو آدمی ایک تیسرے آدمی کو بازوؤں سے پکڑے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے پیچھے سات آدمی اور تھے۔ یہ گیارہ آدمی لمحہ بہ لمحہ گیس پلانٹ کے کمرے کے دروازے سے نزدیک ہوتے چلے جا رہے تھے۔

انسپکٹر جمشید نے جلدی سے خان رحمان سے رابطہ قائم کیا اور سرگوشی میں اس طرف کا حال پوچھا۔ ادھر سے انہوں نے کہا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو اشاروں میں کچھ سمجھایا اور خود ایک چکر کاٹ کر سب سے آخری آدمی کے پیچھے پہنچ گئے۔ انہوں نے اس مہارت سے اس کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبوچی کہ وہ حلق سے ذرا بھی آواز نہ نکال سکا۔ وہ دباؤ بڑھاتے چلے گئے، صرف آدھ منٹ میں ہی اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ انہوں نے اسے زمین پر لٹایا۔ ان تینوں کو ہاتھ سے اشارا کیا اور آگے بڑھے۔ وہ تینوں گرے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے اور اسے آناً فاناً باندھ دیا۔ اس دوران انسپکٹر جمشید دوسرے آدمی کے ساتھ یہی سلوک کر چکے تھے۔ تینوں اس کی طرف بڑھے اور اسے بھی باندھ دیا۔ یہ کام اس قدر خاموشی سے انجام پا رہا تھا کہ سیاہ پوش اور اس

کے اگلے ساتھیوں کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ تیسرے کا بھی یہی انجام ہوا۔

اس وقت تک سیاہ پوش دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ لیکن یہاں دس فوجی موجود تھے۔ چونکہ یہ لوگ اوٹ لے کر آگے بڑھ رہے تھے، اس لیے فوجیوں کو نظر نہیں آ سکے تھے۔ نزدیک پہنچنے پر سیاہ پوش نے کوئی چیز فوجیوں کی طرف اچھال دی۔ ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ فوجی چونکے اور ایک ساتھ اس طرف بڑھے جہاں وہ چیز گری تھی۔ عین اسی وقت ایک دھماکا ہوا اور دھواں پھیل گیا۔ فوجی بوکھلا کر پیچھے ہٹے۔ لیکن لڑکھڑا کر پیچھے گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ اس دوران انسپکٹر جمشید چوتھے آدمی سے نبٹ چکے تھے۔ انہوں نے سنا، سیاہ پوش کہہ رہا تھا:

"اسے آگے لاؤ اور میرا تھیلا مجھے دو۔"

جن دو آدمیوں نے تیسرے کو بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا، وہ اسے لے کر آگے بڑھے۔ تیسرے نے ایک چھوٹا سا بیگ سیاہ پوش کو دے دیا۔ اس نے بیگ کھولا اور اس میں سے کچھ نکالنے لگا۔ اب باقی دشمن اتنے نزدیک کھڑے تھے کہ خاموشی سے ان میں سے کسی ایک کو نہیں دبوچا جا سکتا تھا، لہٰذا انہوں نے پستول جیب سے نکال لیا۔ چاند کی دس

یا گیارہ تاریخ تھی — اس کی روشنی میں باقی دشمن انہیں صاف نظر آ رہے تھے — ان کے ساتھ ہی محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی پستول نکال لیے اور پھر چاروں چار سمتوں میں پھیل گئے۔ انہوں نے باقاعدہ مورچے سنبھال لیے — اس کے بعد انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا۔

"تم پھنس گئے زہریلے دوستو — تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے — اگر تم میری آواز نہیں پہچانتے تو سن لو کہ میرا نام انسپکٹر جمشید ہے۔"

وہ بوکھلا کر آواز کی طرف پلٹے، لیکن انسپکٹر جمشید کہیں بھی نظر نہ آئے — دوسرے ہی لمحے سیاہ پوش نے ایک چھلانگ لگائی اور جس طرف سے آیا تھا اس طرف دوڑ لگا دی — فوراً ہی ایک فائر ہوا اور گولی اس کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل گئی — وہ زمین پر گرا، پھر اٹھ کر بھاگا — اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن تین طرف سے ان پر گولیوں کی باڑھ ماری گئی — ان میں سے تین گرے — باقی دو بھاگتے چلے گئے، لیکن پھر تین فائر ہوئے اور اس مرتبہ وہ دونوں بھی گرے — محمود، فاروق اور فرزانہ سینے کے بل لیٹ کر ان کی طرف بڑھنے لگے۔ ادھر انسپکٹر جمشید نے سیاہ پوش پر چھلانگ لگائی، کیونکہ وہ اسے زندہ پکڑنا

چاہتے تھے — اس سے یہ بھی تو معلوم کرنا تھا کہ اسے اس ہولناک کام پر آمادہ کس نے کیا تھا — ادھر انہوں نے چھلانگ لگائی، ادھر سیاہ پوش نے پلٹنی کھائی — نتیجہ یہ کہ انسپکٹر جمشید سینے کے بل زمین سے ٹکرائے — سیاہ پوش نے ایک بھرپور مکا ان کے سر پر دیا اور پھر اٹھ کر بھاگا — انسپکٹر جمشید نے بھی اٹھنے میں دیر نہ لگائی اور اس کے پیچھے دوڑ پڑے — سیاہ پوش اچانک پلٹا اور ان کے پیٹ میں گھونسہ مارا — وہ دوہرے ہو گئے — دوسرا مکا اس نے ان کی کمر پر رسید کیا اور وہ منہ کے بل نیچے گرنے، لیکن پھر حیرت انگیز پھرتی سے اٹھے اور سر کی ٹکر اس کی ٹھوڑی پر رسید کر دی — وہ گھونسہ مارنے کی وجہ سے جھونک میں تھا، سنبھل نہ سکا اور دھپ سے گر گیا — بس پھر کیا تھا، انسپکٹر جمشید اسے چھاپ بیٹھے — چند منٹ میں ہی وہ اس کے کس بل ڈھیلے کر چکے تھے — اس کے ساتھ ہی انہوں نے ملٹری آفیسر کو وائرلیس پر پیغام دے دیا — اس سے یہ بھی کہا کہ کمشنر صاحب اور پاجوا صاحب کو بھی ساتھ لے کر پہنچیے — خان رحمان کو بھی ادھر آنے کے لیے کہا۔

آدھ گھنٹے بعد گیس پلانٹ کی عمارت روشن ہو چکی تھی۔

اور دس کے دس مجرموں کو باندھ کر فرش پر ڈالا جا چکا تھا۔ کمشنر صاحب، ملٹری آفیسر، خان رحمان اور دوسرے ذمے دار لوگ وہاں آ چکے تھے۔ ابھی تک مجرم کے چہرے سے نقاب نہیں ہٹایا گیا تھا۔

سب سے پہلے سیاہ پوش کے تھیلے کو کھولا گیا۔ اس میں سے چار انتہائی خطرناک ٹائم بم نکلے۔ تجوری کی چابیوں کا ایک بڑا گچھا نکلا۔ ریتی اور چابی بنانے کا مختلف سامان نکلا۔ جس آدمی کو پکڑ کر لایا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اسے چھ دن پہلے اغوا کیا گیا تھا، لہٰذا وہ سمجھ گئے کہ یہ اس عورت کا خاوند ہے اور اسے چابیاں بنانے اور تالا کھلوانے کے لیے اغوا کیا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اسے اتنے دنوں تک ایک کھوہ میں رکھا گیا تھا۔ جو جھاڑیوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ وہاں اس سے کوئی بُرا سلوک نہیں کیا گیا۔

جرم واضح تھا اور ثابت تھا، لہٰذا اب مرحلہ تھا نقاب الٹنے کا۔ لیکن اس سے پہلے انسپکٹر جمشید نے تفصیل سے سب حالات سنائے اور آخر میں کہا:

"اس بار میں مجرم کی شخصیت کے بارے میں لاعلم رہا۔ ہاں میں نے اندازہ لگانے کی ضرور کوشش کی تھی۔ وہ بھی

اس وجہ سے، دو چیزیں میرے ہاتھ آئی تھیں۔ ان دو چیزوں کی بنا پر میں نے یہ اندازہ ضرور لگایا کہ مجرم کون ہو سکتا ہے، لیکن میں یقین نہ کر سکا۔ پہلے نقاب الٹا جائے گا اور پھر میں بتاؤں گا کہ وہ دو چیزیں کیا تھیں۔ باجوا صاحب آپ خود ہی اپنے چہرے سے نقاب الٹنا پسند کریں گے یا میں کسی کی خدمت حاصل کروں؟"

"جی۔ جی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔" فرزانہ بولی۔

"اف خدا، یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

ایک فوجی نے آگے بڑھ کر نقاب الٹ دیا اور پھر انہیں یقین آ گیا کہ انسپکٹر جمشید کا خیال غلط نہیں تھا۔

"آپ نے دیکھا۔ اب سنیے، دو چیزیں کون سی تھیں۔ ایک تو یہ کہ جس وقت میں نے انہیں فون کر کے ہوٹل کہکشاں کی چھٹی منزل پر کمرہ واردات کے سامنے بلوایا تو ان کے پیروں میں بالکل نئے جوتے تھے، جیسے ابھی ابھی خرید کر لا رہے ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ضرور ہوئی، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ دوسری حیرت مجھے ڈیم اور

گیس پلانٹ کی سیر کرنے والوں کے ناموں کے رجسٹر دیکھ کر ہوئی — دونوں رجسٹروں میں ان کا نام بھی شامل تھا۔ انہوں نے بھی دونوں تنصیبات کی سیر کی تھی۔ بس یہی وہ دو چیزیں تھیں — تیسری چیز خود مجرم کے یہ الفاظ کہ وہ مجھ سے اچھی طرح واقف ہے۔

ایک واقف تو پہلے ہی سامنے آگیا تھا — یعنی ہوٹل کہکشاں کا مالک، لیکن وہ تو حوالات میں پہنچ گیا تھا — اب دوسرا واقف اس وادی میں بے وے کے یہی تھے، لہذا اس وجہ سے بھی میں ان کے بارے میں شبہے میں مبتلا ہو گیا تھا؛ بہر حال یہ تھی کل کہانی — گیس پلانٹ میں اپنا کام مکمل کر کے یہ ڈیم جاتے اور وہاں بھی یہی کچھ کرتے۔ ان دونوں تنصیبات کے بعد سے ہمارا ملک بہت زبردست ترقی کر رہا ہے — شاید یہی بات دشمن ملک کو کھٹک رہی تھی۔ اور اس نے اپنے جاسوس کے ذمے ان دونوں کو اڑانے کا کام لگایا تھا — اس نے اس کام کے لیے سزا یافتہ مجرم اپنے ساتھ شامل کیے — اس معاملے میں ہر موڑ پر وہ اس کی مدد کرتے رہے ہیں — منصوبے کی تفصیلات طے کرنے کے لیے ہوٹل کہکشاں کا کمرہ نمبر ۵۳۷ کرائے پر لیا گیا اور یہ پہلے ہی جائزہ لے لیا گیا کہ اگر فرار ہونے کی ضرورت

پیش آئی تو کس طرح فرار ہوں گے — اس کے ساتھیوں کے قدموں کے نشانات اس شخص کے گھر سے ملنے والے نشانات کے مطابق پائے جائیں گے — ان نشانات کی پیمائشیں لی جا چکی ہیں — دوسرے یہ کہ ہوٹل کے کمرۂ واردات میں جو قاتل کے قدموں کے نشانات ملے تھے، ان نشانات کے مطابق جوتا اس کے گھر سے مل جائے گا — یہ شخص نہ جانے کب سے دشمن ملک کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"لیکن ابا جان، آپ نے یہ ہدایت کیوں دی تھی کہ انہیں بھی گھر سے ساتھ لے آیا جائے۔ جب کہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ تو یہاں نقاب پوش کے روپ میں موجود ہیں۔"

"بس ذرا سسپنس میں اضافہ کرنے کے لیے۔" وہ مسکرائے۔

"اور اب صبح سے ہمارا سیر کا پروگرام شروع ہوتا ہے۔ ابھی ہمیں ہوٹل پہنچ کر غیر جاسوس پارٹی کو منانا بھی ہے۔" فاروق بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس روانہ ہو چکے تھے۔ جس وقت ہوٹل میں پہنچے، رات کے تقریباً چار بج رہے تھے — صبح سویرے وہ غیر جاسوس پارٹی کے کمرے میں گھس گئے۔

"آپ کا یہاں کیا کام؟" شہناز بیگم نے تنک کر کہا۔

"اب ہمارا کیس اور کام جو نہیں رہا۔"

"کیا مطلب؟" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"مطلب یہ کہ کیس ختم ہو چکا ہے، مجرم گرفتار ہو چکے ہیں، لہٰذا ہم لوگ اب آپ کے ساتھ سیر کے لیے جا سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہمیں آپ کی ضرورت نہیں۔" بیگم جمشید نے منہ بنایا۔

"بیگم، تمہیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ہم نے اپنے ملک کو بہت بڑے نقصان سے بچایا ہے۔ رات ہماری واپسی چار بجے ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب؟" ان سب نے کہا۔

اس پر انسپکٹر جمشید نے انہیں تفصیل کہہ سنائی۔ وہ سب بھونچکے رہ گئے۔ سب مارے حیرت کے بالکل خاموش تھے کہ فاروق کی آواز سنائی دی:

"وادی جبروت کے لیے روانہ ہوتے وقت ہم نے ایک وعدہ کیا تھا جو پورا نہ ہو سکا۔ اب میں ایک وعدہ اور کرتا ہوں۔"

"بس بس رہنے دو۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن انکل آپ سن تو لیں کہ میں اب کیا وعدہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا چلو بتاؤ۔" انہوں نے ہم کو جھٹکا دیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں، آئندہ جب بھی کبھی کسی مقام کے لیے روانہ ہوں گے تو یہ وعدہ ہرگز نہیں کریں گے کہ ہم کسی جاسوسی چکر میں نہیں پڑیں گے۔" فاروق نے شریر انداز میں کہا۔

اور وہ کھا جانے والی نظروں سے فاروق کو گھورنے لگے۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۴

ہیروں کا بکس

مصنّف : اشتیاق احمد

- اخبار میں دیے گئے ایک اشتہار پر ان کی نظریں چپک کر رہ گئیں —
- ایک ریاست کے شاہزادے کی آمد —
- ہوٹل البان میں ایک انوکھی تقریب —
- آپ کے کردار شاہزادوں کے روپ میں اور ظہور کو شاہی ڈرائیور بننا پڑا —
- پھر انھیں ایک حیرت انگیز صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا —
- انتہائی دلچسپ ناول —
- قیمت : ۱۵ روپے — ۲۰ نومبر کو پڑھیے —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۵

چوکور نیلا ستارہ

مصنّف : اشتیاق احمد

- فاروق نے چوکور نیلے ستارے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا —
- وہ نیشنل پارک میں بیٹھا سکول کا کام کر رہا تھا —
- محمود اور فرزانہ اس کے ساتھ نہیں تھے —
- پارک میں اسے تین غیر ملکی آپس میں باتیں کرتے ہوئے نظر آئے —
- وہ کیا باتیں کر رہے تھے —
- فاروق سے انھوں نے کیا کام لینا چاہا —
- محمود اور فرزانہ نے فاروق کے ساتھ مل کر کہانی کا رُخ موڑ دیا —
- ۲۰ نومبر کو پڑھیے — قیمت : ۱۵ روپے —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۷۶

خونی پروگرام

مصنّف : اشتیاق احمد

- ایک بہت بڑی شخصیت انسپکٹر جمشید کے پاس ایک عجیب درخواست لے کر آئی —
- ان کی عجیب درخواست نے انھیں چکرا دیا —
- محمود ، فاروق اور فرزانہ نے ایک لاش کے جسم پر ایک عجیب سا نشان دیکھا —
- محمود ، فاروق اور فرزانہ اس مرتبہ انتقام لیتے ہیں ، لیکن کس کا ؟
- خونی پروگرام کیا تھا ؟
- ۲۰ - نومبر کو پڑھیے — قیمت : ۱۵ روپے —

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۷۷

انوکھا شکار

مصنّف : اشتیاق احمد

- انسپکٹر جمشید کی صحت یابی کی خوشی میں ایک پروگرام ترتیب دیا گیا —
- پروگرام انھیں موت کے منہ میں لے گیا —
- چھوٹے صاحب سے ملیے — آپ مسکرائیں گے —
- ان کے لیے ہر قدم پر خطرہ منہ کھولے کھڑا تھا —
- وہ نہتے تھے ، چند تھے اور ان کے مقابلے پر چار پانچ سو مسلح دشمن تھے —
- پھر — انھوں نے یہ جنگ جیتی یا ہار دی —
- ۲۰ - نومبر کو پڑھیے — قیمت : ۱۵ روپے —